مہک پھولوں کی

(۴۳ تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

گُھپ اندھیروں میں چمک ہے اُن کی جگنو کی طرح
میں نے پایا ہے جنھیں پھولوں کی خوشبو کی طرح

صلاح الدین نیّر

تاریخ وسن اشاعت .... ۲۵ نومبر ۲۰۰۲ء
تعداد ۵۰۰
قیمت .... ۵۰ روپے
لائبریری ایڈیشن .... ۲۰۰ روپے
کتابت .... انور مسعود
طباعت .... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد
ناشر .... صلاح الدین نیر

کتابیں ملنے کا پتہ

- سیاست کاؤنٹر سیل ـ جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدرآباد ۱
- حسامی بک ڈپو ـ پتھر گٹی۔ حیدرآباد ۲
- مصنف۔ کہکشاں ۱۱-۳-۸۲۲/۷ ملے پلی حیدرآباد ۱

انتساب

" مہکتے پھولوں کی "خوشبو" اپنے گلشن بے خزاں کے اُن مسکراتے ہوئے
ستاروں، چہکتے چہچہاتے غنچوں، شگفتہ اور تر و تازہ پھولوں، دیپتے
اور پتیوں کے نام معنون کرتا ہوں جو صدف (بنت شمس الدین عارف)
اسرار (فرزند سبحان الدین خسرو) منوبر (بنت سراج الدین حلیم)
اور ساجد (فرزند تاج الدین پرویز) کے نام سے موسوم ہیں جن میں سے کچھ
رینگنے اور لڑکھڑانے کی منزل سے گزر رہے ہیں تو کچھ اپنے قدموں کی
رفتار کو تیز کر رہے ہیں جن کے نرم و ملائم قدموں کی آہٹوں سے میرے گھر
کے تمام گوشے روشن ہو رہے ہیں۔

سراج الدین تبسم

ترتیب و تزئین

مہکتا پھولوں کی .... صلاح الدین نیّر

مضامین ۵

- سید ہاشم علی اختر .... نامور دانشور۔ اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر
- ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ .... شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی خاتون صدر، نامور ادیب و محقق
- ایس۔ اے۔ [illegible] .... معتمد سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن، اعلیٰ دماغ اعلیٰ ا[illegible]
- سید تراب الحسن .... سکریٹریٹ کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار
- اے۔ وی۔ رمناچاری .... اردو دوست، حیدرآبادی۔ آئی اے ایس آفیسر
- ڈاکٹر رشید موسوی .... مہذب خاتون، باوقار ادیبہ، بہترین استاد
- نسیم تراب الحسن .... سلیم الطبع، شریف النفس، صاحب طرز قلمکار
- محمد ظہیر الدین احمد .... ماہر اقبالیات، اعلیٰ ظرف، وسیع النظر شخص
- ڈاکٹر لئیق صلاح .... مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون، قابل استاد و ادیبہ
- ڈاکٹر حمیرہ جلیلی .... باصلاحیت استاد، نامور محقق، گوشہ نشین معتبر خاتون
- علامہ اعجاز فرخ .... مایہ ناز خطیب، صاحب طرز ادیب، شاعر
- ڈاکٹر ایم۔ اے۔ حفیظ .... ہمدرد مسیحا، بامروت انسان، بہترین ادیب

- محسن کمال ...... منفرد شاعر، ممتاز صحافی و مفکر، بیباکی فا
- ڈاکٹر صغرا عالم ...... نامور شاعرہ، صاحب اسلوب، بہ شائستہ
- پروفیسر فہیم صدیقی ...... حیدرآباد دکن کے مقبول شاعر، قابل استاد
- تسلیم عابدی ...... خوش گلو، بہترین شاعر، نامور ناظم مشاعرہ، خلیق ا
- جمیل نظام آبادی ...... اضلاع کے شاعروں کے معمار ... اور صحافی
- نادر اسلوبی ...... زود گو، کہنہ مشق نامور شاعر
- رشید عبادیہ ...... غریب پرور، زندہ دل انسان، معاشرے کے خدمت گا
- ڈاکٹر رزاق اثر ...... شاہ آباد کے نامور شاعر، مخلص انسان
- پروفیسر جلیل تنویر ...... خوش فکر و خیال، زبان دان، فطین استاد قلم کا
- تنویر واحدی ...... مقبول شاعر، بہترین دوست، اچھا انسان
- عقیل اسعد ...... جدید لب و لہجے کے پسندیدہ شا
- وقار ریاض ...... روشن خیال، باشعور شاعر
- ریحانہ بیگم ...... سرزمین علم و عرفان بیدر کرناٹک کی باصلاحیت شاعرہ
- پروفیسر جگن ناتھ آزاد ...... ماہر اقبالیات، عالمی شہرت یافتہ، ممتاز شاعر و ادیب
- کاوش بدری ...... تلمذ صفی، کہنہ مشق استاد شاعر، نامور ادیب

مہک پھولوں کی

(۴۳ تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

"مہک پھولوں کی" میری ۲۷ویں کتاب ہے۔ اس کتاب سے پہلے جن موضوعات سے متعلق ۲۶ کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں گیارہ شعری مجموعے بھی شامل ہیں۔ "مہک پھولوں کی" میں حیدرآباد، اضلاع آندھرا پردیش، اضلاع حیدرآباد دکن، بیرونِ ریاست اور بیرونِ ملک میں مقیم زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی بہ قیدِ حیات ۴۳ شخصیتوں یا دو شخصیتیں بھی شامل ہیں جن کا حیدرآباد سے گہرا تعلق ہے۔

تاثراتی مضامین سے متعلق لکھنے والی میری دو کتابیں سال گذشتہ شائع ہوئی ہیں۔ "خوشبوئے بہاراں" میں بہ قیدِ حیات ۲۰ شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں جو ۵ ؍جون ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی اور "نہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے" میں جو اوراقِ ماضی سے تعلق رکھنے والی کتاب ہے ۲۱ مضامین موجود ہیں۔ کتاب یکم نومبر ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی۔ سال رواں جون ۲۰۰۲ء میں بہ قیدِ حیات شخصیتوں پر میری ایک ضخیم کتاب "روشنی، خوشبو، مہک" کے نام سے شائع ہوئی ہے جس

۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس طرح ان تینوں کتابوں میں ۱۱۱ شخصیتوں پر میرے مضامین شریک ہیں۔ ان تینوں کتابوں سے پہلے میں نے "سلسلہ پھولوں کا" (۱۹۹۲ء) "بکھر وہی پرچھائیاں" (۱۹۹۳ء) اور "کہکشاں" (۱۹۹۶ء) کے لیے کچھ شخصیتوں پر مضامین لکھے ہیں۔ میں نے ۱۹۹۸ء میں ممتاز صحافی جناب محبوب حسین جگر کی صحافتی خدمات پر ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں محبوب حسین جگر صاحب کی شخصیت اور اُن کی صحافتی و تہذیبی خدمات کے علاوہ جناب عابد علی خان اور روزنامہ سیاست کے بارے میں بہت سی باتیں ضبط تحریر میں لائی ہیں۔ انشاء اللہ جنوری ۲۰۰۳ء میں اوراقِ ماضی سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں پر میرے تاثراتی مضامین کا مجموعہ "خوشبو یادوں کی" منظرِ عام پر آئے گا جس میں حیدرآباد، اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدرآباد دکن کی شخصیتیں شامل رہیں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری تمام کتابوں کو ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔ یقین ہے کہ صاحبانِ فکر و نظر اس کتاب کو بھی پسند کریں گے جناب انور مسعود نے کافی تن دہی سے کتابت کی ہے جن کا ممنون ہوں۔ اعجاز پرنٹنگ پریس کے جواں سال مالک سید اعزاز محمد (فرزندِ کلاں سید نور محمد مرحوم) اور اُن کے چھاپہ ساز ممتاز محمد کا بھی میں شکر گذار ہوں کہ انہوں نے پوری توجہ کے ساتھ طباعت کی ذمہ داری کو پورا کیا

میں اپنے تمام اہلِ قلم دوستوں اور اپنے کرم فرماؤں کا ممنون ہوں کہ کئی برسوں سے وہ میرے ادبی سفر میں قدم بہ قدم ساتھ ہیں۔

صلاح الدین نیّر

کہکشاں
ملے پلی۔ حیدرآباد

سید ہاشم علی اختر

(نامور دانشور۔ اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر)

جس زمانے میں جناب سید ہاشم علی اختر اریگیشن ڈپارٹمنٹ کے سکریٹری تھے تو اُس محکمہ میں میرے ایک دوست جناب بشیر انور اسسٹنٹ سکشن آفیسر تھے جب ہاشم علی اختر صاحب سکریٹریٹ کے ایک نئے محکمہ کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ میں سکریٹری بن گئے تو میری سفارش پر انہوں نے بشیر انور صاحب کو اپنے محکمہ میں لے لیا چونکہ وہ ایک نیا ڈپارٹمنٹ تھا اس لیے بشیر انور اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں وقت سے پہلے سکشن آفیسر ہوگئے۔ ہاشم علی اختر صاحب کی عنایتوں کا ایک اور واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ میرے ایک دوست محبوب احمد محکمہ روڈ اینڈ بلڈنگ میں اسسٹنٹ انجینیر تھے محکمہ کی لاپرواہی کی وجہ سے اُن کے پرموشن کا کیس متاثر ہوگیا تھا بہ مشکل تمام انکا نام پیانل میں شریک کیا گیا تھا پیانل کی منظوری کے ایک رکن سکریٹری مسٹر کے ایم احمد علی تھے جن سے سفارش کروانی تھی۔ میں محبوب احمد صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر ہاشم علی اختر صاحب کی قیامگاہ (سری نگر کالونی) پہونچا۔ محبوب احمد صاحب گھر میں آنا نہیں چاہتے تھے وہ باہر موٹر

میں بیٹھے ہاشم علی اختر صاحب ڈرائنگ روم سے باہر آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے
ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا افطار کے بعد مجھے بھی عشائیہ میں شریک
کیا گیا جب میں نے ان سے ملاقات کی وجہ بتلائی اور کہا کہ میرے ایک دوست محکمہ
عدم تعاون کا شکار ہو چکے ہیں اگر آپ اس طور پر اعانت فرمائیں تو میں آپ
شکر گزار ہوں گا ہاشم صاحب نے فوراً [illegible] صاحب کو فون کیا۔ اللہ کے
فضل سے سفارش کام آئی اور [illegible] بہت جلد ہو گیا [illegible]
کو ترقی مل گئی۔ ہاشم علی اختر صاحب [illegible] کا کام تھا [illegible]
ملازمت بہت سے مستحق اور ضرورت مند [illegible] کی مدد کی ہے ہاشم علی اختر
ہمیشہ بڑے کشادہ پیشانی سے ملتے [illegible] شاعروں سے بہت تعلق
[illegible] جیسے شعر [illegible] رسم الخط [illegible] اردو [illegible] شائع
کرائی [illegible] مجھ سے کہتے [illegible] قلم کا [illegible]
[illegible] کا ہی تذکرہ کیا کرتے تھے [illegible]
حرف شناس با مروت اور [illegible] علی اختر [illegible]
[illegible] با شرافت کے گھر [illegible] چھپے ہیں سکریٹری [illegible]
[illegible] ہاشم علی اختر صاحب کا نام ہی سر فہرست رہے گا۔

(ماخوذ از [illegible] ۱۹۹۲ء)

پروفیسر رفیعہ سلطانہ

(شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی خاتون صدر، نامور اُردو محقق)

پروفیسر رفیعہ سلطانہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی صدر رہ چکی ہیں۔ ادھر کچھ برسوں میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے علاوہ ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر سیدہ جعفر جیسی قابل خواتین صدر شعبہ کے عہدہ پر فائز رہیں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر غلام عمر خان اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے بھی شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کو صدر شعبہ کی حیثیت سے عزت بخشی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ جامعہ عثمانیہ کی ایک قابل استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں۔ ان کے بیسیوں شاگردوں نے شعر و ادب کی دنیا میں اونچا نام کمایا جو اپنی استاد (رفیعہ آپا) کے طریقۂ درس و تدریس کو خراج پیش کرتے رہتے ہیں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے دور میں شعبۂ اُردو میں طلبا و طالبات کی خاصی تعداد تھی اُن کے بعد کے دور سے تعداد گھٹتی چلی گئی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ کی صحت

جب تک ان کا ساتھ دیتی رہی۔ علمی و ادبی تقاریب میں شرکت کیا کرتی تھ
انہوں نے اپنے دور میں شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ اور جامعہ سے ملحقہ کالجوں
ادبی تقاریب میں حصہ لیا ہی تھیں شہر کی بڑی ادبی انجمنوں اور اداروں کے
زیر اہتمام ہونے والے جلسوں میں شرکت کی بعض اوسط درجہ کی ادبی انجمن
کو بھی اپنی بہترین خطابت سے نوازا۔ میں نے خاص طور پر انجمن ترقی اردو او
ادارۂ ادبیاتِ اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی تقاریب میں ڈاکٹر صاح
کو حصہ لیتے ہوئے دیکھا ہے شہر کے بعض شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کی ر
اجراء تقریب میں شرکت کیا کرتی ہیں شہر کے مختلف معیاری علمی و ادبی ادا
سے وابستہ رہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ شعبۂ اردو کی نامور استاد ہونے کے
علاوہ اردو کی ایک مستند محقق بھی سمجھی جاتی ہیں "فورٹ ولیم کالج سے پہ
اردو نثر کا ارتقاء" ان کا بڑا کارنامہ ہے ڈاکٹر صاحبہ کا شمار حیدر آبا
کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کے افسانوں کا مجموعہ "کچے دھاگے"
کے نام سے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ "فن اور فن کار" "اردو
ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ" "کلیات احسان" "دکنی نثر پارے" اور
"دودِ چراغ محفل" ڈاکٹر صاحبہ کی کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ صاحبہ کی
زیر نگرانی کئی طلباء و طالبات نے پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر کیے ہیں۔ آل
انڈیا ریڈیو سے اکثر ڈاکٹر صاحبہ کی معلومات آفریں تقاریر نشر ہوا کرتی
تھیں۔ محفلِ خواتین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کر چکی
ہیں۔ میں جب ۶۰/۱۹۵۹ء ویمنس نیشنل اردو کالج میں بی او۔ ایل کا

طالب علم تھا تو اُس زمانے میں بھی انھوں نے بیسیوں ادبی تقاریب کو مخاطب کیا تھا۔ مجھے اکثر ایسے ادبی جلسے یاد ہیں جن میں ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے شرکت کی اور اپنے معلومات آفریں خیالات سے حاضرین محفل کو مستفید کیا۔ ۶۰/۱۹۵۹ء میں شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کے علاوہ جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ کالجوں کی بین کلیاتی تقاریب میں مدعو رہا کرتی تھیں ۱۹۶۰ء میں شعبۂ اُردو ویمنس کالج کی صدر شعبہ تھیں۔ ڈاکٹر ثمینہ شوکت شعبۂ اُردو میں لکچرر تھیں اور بزم اُردو کی مشیر بھی تھیں جن کی قیادت میں کئی ادبی پروگرام ترتیب پائے۔ خاص طور پر بیت بازی کی ایک نمائندہ ٹیم نے کافی نام کمایا۔ فاطمہ نسرین شعبۂ اُردو میں بی اے کی طالبہ تھیں اور صدر بزم اُردو بھی تھیں فاطمہ نسرین جب تک ویمنس کالج میں رہیں انھوں نے اپنے اساتذہ کی زیر سرپرستی ویمنس کالج کی ادبی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ مجھے بھی اپنے کالج کی ایک اہم تقریب میں مدعو کیا تھا تمام کالجس کے مندوبین و معتمدین بھی مدعو تھے۔ میں اُس خاص تقریب میں اُس وقت پہونچا جب تقریب ختم ہو گئی تھی چائے نوشی ہورہی تھی۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی بھرپور شخصیت کا اور اُن کے سرپرستانہ سلوک کو قریب سے محسوس کرنے کا مجھے اُس وقت اتفاق ہوا۔ چائے نوشی کے بعد تقریباً تمام اساتذہ اور طالبات جا چکے تھے سب سے آخر میں جانے والی استاد پروفیسر رفیعہ سلطانہ تھیں انھوں نے جاتے ہوئے مجھے اور فاطمہ نسرین کو ویمنس کالج کی سیڑھیوں پر محوِ گفتگو دیکھا اُس وقت سورج دن بھر کی تھکن کے بعد مغرب کے دامن میں ڈوب رہا تھا شام کا وقت تھا ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

نے ہمیں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئیں۔ شام ہو رہی ہے گھر جائیے تمام اساتذہ اور طالبات اور دیگر مہمان جاچکے ہیں۔ میں اُس وقت فاطمہ زہرا کو اُردو کالج کی سالانہ تقریبات میں مدعو کرنے کے سلسلے میں محوِ گفتگو تھا۔ یہ صحیح ہے کہ کافی دیر تک ہم محوِ گفتگو رہے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بُرا نہیں مانا لیکن ایک صدر شعبہ اُردو ہونے کی وجہ سے یہ احساس دلایا کہ ویمنس کالج کی شعبۂ اُردو سے تعلق رکھنے والی طالبات کی وہ نگران و سرپرست ہیں ۔ اس واقعہ کو یہاں قلم بند کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ جیسی اردو کی اساتذہ نہ صرف درس و تدریس کی حد تک ہی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتی تھیں بلکہ طلباء و طالبات کی بہترین تربیت بھی کرتی تھیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے بے شمار شاگردوں نے نہ صرف علمی و ادبی دنیا میں ہی نام کمایا بلکہ اُن کی استادانہ اور مشفقانہ تربیت سے بھی اپنی زندگی کو پُر نور بنالیا ۔ اگرچہ میں ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کا راست شاگرد نہیں رہا لیکن ان کی علمی و ادبی خدمات سے میں بڑی حد تک مستفید ہوچکا ہوں۔ میں نے کالج کی سرگرمیوں سے ہٹ کر شہر کی بعض ادبی انجمنوں کے جلسوں میں انہیں رونق افروز ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اپنے شعری مجموعوں کی رسم اجراء تقریب میں انہیں نے اظہارِ خیال کی زحمت دیتا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے ہمیشہ میری درخواست کی پذیرائی کی اور اپنی تشریف آوری سے مجھ سے متعلق ادبی محفلوں کو بھی رونق بخشی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے نہ صرف میری کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں شرکت کی بلکہ اپنے زریں خیالات سے نوازا۔ کسی جلسے

ہیں وہ صدر رہیں تو کسی جلسے میں نائب صدر۔ میں یہاں ایک اور یادگار
ادبی تقریب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو ڈاکٹر حسن الدین احمد کے دولت خانہ
عزیز باغ (نورخاں بازار) میں خفیظ قادری کی کتاب "حیدرآباد کے علمی و
ادبی ادارے" کی رسم اجرا کے سلسلے میں منعقد ہوئی تھی۔ جلسے کی صدارت
جناب عابد علی خان، مدیر سیاست نے کی تھی۔ مہمانان خصوصی میں نواب شاہ
عالم خان، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حسن الدین احمد، پروفیسر مغنی تبسم اور اسی
مرتبہ کے کچھ اور دانشوروں نے تقریب کو مخاطب کیا تھا۔ رسم اجرا تقریب کا
میں ناظم اجلاس تھا اس ادبی تقریب میں ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے نہایت پر مغز
تقریر کرتے ہوئے یہ احساس دلایا تھا کہ بعض شاعر و ادیب ہمارے شہر میں
ایسے ہیں جن کا مستقبل روشن ہے جن کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے
ڈاکٹر صاحبہ ادبی حلقوں میں اپنی منفرد و مخصوص پہچان کے ساتھ قدر و منزلت
کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ میں نے انھیں ان ۴۰، ۴۲ برسوں میں کئی ادبی
جلسوں میں شگفتہ بیانی سے کام لیتے ہوئے دیکھا ہے رفیعہ سلطانہ ایک بہترین
استاد کے ساتھ ساتھ ایک مشفق و بامروت شخصیت کی حامل ہیں طلباء
کے ساتھ ان کا مشفقانہ سلوک رہتا تھا ان کا طریقۂ درس و تدریس متاثر کن
رہا ہے ملک کی بیسیوں ادبی تقاریب میں شرکت کر چکی ہیں ملک کے
بعض جامعات میں اپنے معلومات آفریں مقالے پڑھ چکی ہیں اور
ممتحن کے فرائض انجام دے چکی ہیں۔ مختلف شعبوں
میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس طرح کا سلسلہ تعلیم جاری ہی رہتا ہے لیکن

بہت ہی کم ایسے اساتذہ یاد رکھے جاتے ہیں جنھوں نے تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کے میدان میں خود بھی نام کمایا اور بہترین شاگردوں کو بھی روشن مستقبل کی طرف دیکھنے کی ترغیب دلائی۔ ۱۹۷۲ء میں جب پروفیسر احتشام حسینؒ انجمن ترقی اردو کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے آئے تھے اُس وقت اُردو ہال میں منعقدہ جلسے میں اُس دور کے تمام اہم اساتذہ، طلبا، اور اہلِ فکر حضرات، خواتین نے شرکت کی تھی اس محفل میں مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی شرکت کی تھی اُس دور میں حیدرآباد میں خاص طور پر انجمن ترقی اردو اور ادارۂ ادبیات اُردو کے زیر اہتمام نمائندہ ادبی جلسے اور مشاعرے ہوا کرتے تھے اُردو ہال کے اُس اہم جلسے کے اختتام پر مجھے سید احتشام حسین صاحب سے نیاز حاصل ہوا اُس وقت میں نے احتشام صاحب سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ میرے دوسرے مجموعۂ کلام "زخموں کے گلاب" کے لیے دیباچہ لکھیں تو میری حوصلہ افزائی ہوگی اُس وقت میرا پہلا مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" شائع ہو چکا تھا۔ پروفیسر احتشام حسینؒ صدر شعبۂ اُردو الہ آباد یونیورسٹی تھے اور ایک متوازن نقاد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں مشہور تھے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور ڈاکٹر سید احتشام حسین جیسے اساتذۂ اُردو اور ادیب و نقاد نے زبان و ادب کی بہت خدمت کی ہے اور اب ایسے اساتذہ عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی بہترین اساتذہ اور اُردو کے ادیبوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں پروفیسر آلِ احمد سرورؔ، پروفیسر احتشام حسینؒ، کلیم الدین احمدؔ، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر گیان چند جین کے ساتھ ساتھ حیدرآباد کے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ، پروفیسر عبدالقادر سروری،

پروفیسر سید محمد، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر عمر خان، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر سیدہ جعفر اور ڈاکٹر مغنی تبسم وغیرہ کے نام بھی خصوصیت کے ساتھ لیے جاتے ہیں اس دور کے جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ کالجوں کے نامور اساتذہ میں پروفیسر ابوظفر عبدالواحد اور ڈاکٹر حسینی شاہد بھی شامل تھے۔ قابل اساتذہ ہر دور میں رہے ہیں لیکن یہ طلباء کے علم و ادب کے ذوق پر منحصر ہے کہ وہ ان سے استفادہ کریں۔ جس طرح بے شمار دانشوروں اور اساتذہ میں کچھ منتخب اساتذہ کا نام شہرت کا حامل ہے اسی طرح ہر دور کے بعض طلباء کے نام بھی مشہور ہیں۔ قابل اساتذہ اور لائق طلباء ایک دوسرے پر فخر محسوس کرتے ہیں سیاست اخبار حیدرآباد کے بہت سے قلم کاروں کی تشہیر کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اس اخبار کے ذریعہ نہ صرف اساتذہ کے بلکہ ہونہار و قابل طلباء کے مضامین بھی منظر عام پر آتے تھے۔ ان ۵۰ برسوں میں بے شمار اساتذہ اور طلباء جو قلم کار بھی ہیں سیاست کے ذریعہ شہرت پائے۔ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی ادبی سرگرمیوں کا اظہار ہونے لگا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے کئی مضامین اخبار سیاست میں شائع ہو چکے ہیں ڈاکٹر صاحبہ کی سیاست میں تحریروں کی اشاعت کے علاوہ سیاست کے زیر اہتمام ہونے والی ادبی سرگرمیوں میں بھی ڈاکٹر صاحبہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ۲۵ برس پہلے سیاست اخبار میں مختلف نوعیت کے ادبی مقابلے ہوا کرتے تھے جن میں بہترین اشعار کا انتخاب بھی شامل تھا۔ بہترین اشعار کے انتخاب کے سلسلے میں ایک اجلاس میں ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے جج کے فرائض انجام دیئے تھے سیاست کا یہ ادبی شعبہ راقم الحروف سے متعلق تھا شہر کے تقریباً تمام مشاہیر ادبا

نے مختلف اجلاسوں میں جج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ ڈاکٹر
رفیعہ سلطانہ جس ادبی محفل میں شرکت کرتی رہیں اُن کی خاطر خواہ پذیرا
کی گئی۔ اِدھر کچھ برسوں سے وہ صحت کی خرابی کی وجہ سے ادبی محفلوں میں
شرکت نہیں کر رہی ہیں۔ لیکن اب بھی کئی طلبا ران کی خدمات سے استفاد
کر رہے ہیں۔ اچھے اور قابل اساتذہ برسرِ خدمت رہیں یا نہ رہیں
ان کی قابلیت سے ذہین و فطین طلبا و قلم کار مستفید ہوتے رہتے ہیں۔
میں نہایت ذمہ داری اور دیانت داری سے یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ
ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ میری ادبی مصروفیات کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ ان جیسی
قابل شخصیتوں کی ہمت افزائی نے میرے ادبی سفر کو مہمیز کیا ہے جن کا میں
ہمیشہ شکر گزار رہوں گا ◄

ایس۔ اے۔ واسع

(صدر سکریٹریٹ آندھرا پردیش کے ریٹائرڈ اعلیٰ آفیسر)

جس وقت جناب ایس۔ اے۔ واسع محکمۂ ٹرانسپورٹ میں اسسٹنٹ سکریٹری تھے تو میری اُن سے پہلی ملاقات ہوئی۔ انہیں شعر و ادب سے کافی دلچسپی تھی۔ ان کی خواہش پر انہیں مختلف شعراء کا کلام پڑھنے کے لیے دیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہمارے روابط بڑھنے لگے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ میرے محکمہ میں ڈپٹی سکریٹری کی حیثیت سے آگئے۔ پھر تو ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ اُن کی پرکشش شخصیت میں کچھ ایسی بات تھی کہ بار بار ملنے کو جی چاہتا تھا۔ واسع صاحب صبغۃ اللہ خان (او۔ پی) کے ڈپٹی سکریٹری تھے۔ ان کے تحت ملازمین کے بہت سے مسائل حل طلب رہا کرتے تھے جیسے مختلف شعبوں میں تنقیحاتی پرموشن کیسس، رخصتیں، مکانات اور موٹر سیکل کے قرضہ جات وغیرہ۔ اُن سے روابط کی بنیاد پر میں نے اپنے آفس کے ساتھیوں کی بہت مدد کی۔ واسع صاحب میری ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ اس زمانے میں آندھرا کے ایک اسسٹنٹ مسٹر نرسمہا راؤ نے اپنی بعض خانگی اُلجھنوں کی وجہ سے [illegible] تب وہ مجھ سے اور میرے ساتھی خواجہ

بہاء الدین سے ملے اور [illegible] ہو کر [illegible] بہت پریشان ہوں [illegible]
[illegible] مدد کیجئے [illegible] صاحب [illegible]
منظور ہونے کے [illegible] ملازمت میں لے لیا۔ آئندہ وہ ٹائپسٹ بر
ڈپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ [illegible] واسع صاحب کا دور پنجاب [illegible] ڈپارٹمنٹ
ایک سنہرا دور تھا۔ ان کے زمانے میں کسی بھی ملازم کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ واسع صاحب
رکھ رکھاؤ [illegible] اپنے یادگار [illegible] لب و لہجہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے
میں اعلیٰ آفیسر کی وہ تمام خصوصیات شامل تھیں جو ان کے عہدہ کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھیں
وہ ایک خوش [illegible] اور خوش فکر عہدہ [illegible] نیت سے بھی پسند کیے جاتے تھے [illegible]
ہمیں محسوس ہی ہونے نہیں دیا کہ وہ ہمارے آفیسر ہیں خاص طور پر خواجہ بہاء
اور مجھ سے وہ [illegible] گفتگو کرتے تھے دوستوں کی طرح۔ اس وقت [illegible]
رنگ لائی [illegible] توجہ بہاء الدین [illegible]
[illegible]
[illegible] انجمن کے [illegible]
[illegible] بڑے بڑے [illegible]
جریدہ شائع کیا تھا جس کو [illegible] ترتیب دیا تھا۔ [illegible] سلسلہ [illegible]
شگفتہ [illegible] دوستو [illegible]
شائع کیے گئے ہیں جو اردو زبان و ادب [illegible] بہت [illegible]

(ماخوذ "[illegible] کا" ۱۹۹۳ء)

سید تراب الحسن

(سکریٹریٹ کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار)

مجھے ملازمت کے دوران سکریٹریٹ میں بہت سے اعلیٰ افسروں
سے سابقہ پڑا۔ ان سے میرے دوستانہ مراسم بھی رہے۔ ان سب [illegible]
تو [illegible] سے ملنے جلنے کا انداز ایک دوسرے سے علحدہ تھا لیکن سب کے سب
شائستہ، مہذب، باوقار اور فرض شناس تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو اردو
زبان و شعر و ادب سے گہری وابستگی رکھتے تھے انہیں تہذیبی روایات و
اعلیٰ اقدار کا پاس تھا خاص طور پر اس طرح کے اعلیٰ آفیسرس تلنگانہ سے تعلق
رکھتے تھے وہ [illegible] آفیسرس تھے جن کی رواداری اور انسانیت دوستی میں اپنا
آپ مثال تھے سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ سکریٹری سے لے کر اسپیشل سکریٹری
تک کے عہدہ داروں میں میری [illegible] ان میں بطور خاص [illegible] آفیسرس
تھے جس سے فائدہ [illegible] سید محمد [illegible] علی اختر [illegible]
غلام احمد [illegible] کے عزیز خواجہ حمید احمد

صادق احمد، مبشر احمد، رشید قریشی، سعد حسین سعد، دستگیر قریشی، سربلند [illegible]
حسن الدین احمد، خالد انصاری، [illegible] گوپال [illegible] راؤ، رشا چاری وغیرہ۔ ان
آفیسروں سے میرے مراسم کا ایک بڑا ذریعہ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن تھا
ان تمام عہدہ داروں نے جن میں چیف سکریٹری بھی تھے پرنسپل سکریٹری بھی
ڈپٹی سکریٹری بھی اور اسسٹنٹ سکریٹری بھی۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن
سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ تھے جناب ایس [illegible] قادر چیف سکریٹری اور
راسے تیج بہادری لال چیف سکریٹری سرپرست اسوسی ایشن تھے بھارت چند [illegible]
غلام احمد۔ ایس [illegible] واسع، صادق احمد اور تراب الحسن صدر اسوسی ایشن رہے
[illegible] نے سکریٹریٹ [illegible] باہمی تعاون سے سکریٹریٹ میں اُردو کا بہترین ماحول
تراب الحسن صاحب [illegible] نے بھی صدر اسوسی ایشن کی حیثیت سے
سکریٹریٹ اسوسی ایشن کی بڑی خدمت کی [illegible] تراب الحسن صاحب سے میری
پہلی ملاقات جگتیال [illegible] ایک کل ہند مشاعرہ میں [illegible] جس کے وہ [illegible]
تھے تراب الحسن صاحب اُس زمانے میں تعلقہ جگتیال [illegible] منسٹریٹر [illegible]
کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اُس مشاعرہ میں [illegible] اور ملک زادہ
منظور [illegible] بھی شرکت کی تھی۔ حیدرآباد سے ہم تمام شاعر بذریعہ موٹر کار مشاعرہ
میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ جگتیال سے [illegible] میل پہلے [illegible] موٹر
خراب ہوگئی۔ مشاعرہ کا وقت قریب آرہا تھا [illegible] سواری کا مسئلہ [illegible]
تھا آخر کار ایک [illegible] لاری ہمیں مل گئی [illegible] کچھ دیر پہلے ہی کوئلہ [illegible]
گیا تھا لاری میں [illegible] کے [illegible] بیٹھے تھے اس کے باوجود ہمیں اُس لاری

میں منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ کی صدارت مسٹر ایس این رامن آئی اے ایس نے کی تھی جو بعد میں چیف سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تراب الحسن صاحب ایک حرکیاتی شخص کا نام ہے نہایت ہمدرد، معتبر دوست قسم کے انسان ہیں قلندر مزاجی ان کا ایک اہم وصف ہے۔ جب فاروق احمد صاحب کو وظیفہ ہو گیا تو تراب الحسن اڈیشنل اگریکلچر پروڈکشن کمشنر کو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا صدر بنایا گیا۔ اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کو پھیلانے [illegible] کے سلسلے میں تراب الحسن صاحب نے ہمیشہ اعانت کا مظاہرہ [illegible] [illegible] کا ونیرہ تھا [illegible] [illegible] کا بیان [illegible] وہ [illegible] [illegible] تھے۔ ان کا بیان تھا کہ ان کی والدہ بیمار [illegible] وہ انہیں چھوڑ کر [illegible] ہم [illegible] آپ [illegible] خوشی محسوس [illegible] آپ [illegible] کرتے ہیں [illegible] اس شخص کی سادگی [illegible] تراب الحسن صاحب کے نام لکھا اور فون پر اس پریشان حال شخص کی مدد کرنے کی خواہش کی۔ چند دنوں کے بعد وہ صاحب مٹھائی کا ڈبہ لیکر میرے ہاں مسکراتے ہوئے آئے۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت ان کی آنکھوں میں انتہائی تشکر کے آنسو تھے۔

(کچھ حصہ ماخوذ "سلسلۂ جدوجہد کا" ۱۹۹۲ء)

وینکٹ رمناچاری

(اردو دوست۔ حیدرآبادی آئی اے ایس آفیسر)

میں جناب وینکٹ رمناچاری کی سماجی، فلاحی، تہذیبی اور سرگرمیوں سے اُس وقت سے واقف ہوں جبکہ وہ ایڈمنسٹریٹر قلی قطب اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی حیثیت سے خاص طور پر اپنے شہر میں شہرت و مقبو حاصل کر چکے تھے جب مجھے بعض پروگراموں میں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع تو میرے خیالات کی تصدیق ہو گئی پتہ نہیں انہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ مشاعروں اور تہذیبی پروگرام کے سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کریں۔
رمناچاری قلی قطب شاہ آڈیٹوریم کے افتتاح کے موقع پر تہذیبی پروگرا کے ساتھ ساتھ مشاعرہ بھی منعقد کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن سکریٹری قلی قطب اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی جناب تاج الدین نے فون پر بتایا کہ رمناچاری صا مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ قلی قطب شاہ آڈ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر ایک شاندار مشاعرہ کا اہتمام ہو۔ رمناچا صاحب سے فون پر گفتگو رہی۔ جناب عابد علیخان مدیر سیاست کی صدارت میں

شاندار پیمانے پر مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں تقریباً (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا!
تھا۔ اُن تمام شاعروں کو قلی قطب شاہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی جانب سے شال
اوڑھائی جاکر سنمان کیا گیا۔ رمناچاری صاحب سے میری دوسری ملاقات حیثن
گولکنڈہ سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ کے انتظامات کے سلسلے میں قلی قطب شاہ
آڈیٹوریم میں ہوئی، اُس وقت جناب عابد علیخان صاحب، محبوب حسین جگر صاحب
اور ڈاکٹر موہن لال نگم بھی موجود تھے میں نے محسوس کیا کہ انہیں حیدرآباد کی
تہذیب اور اُردو زبان سے کافی دلچسپی ہے۔ جب رمناچاری صاحب ڈپٹی
سکریٹری میونسپل ایڈمنسٹریشن کی حیثیت سے سکریٹریٹ آئے تو اُن سے
ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھنے لگا اسی زمانے میں اولڈ سٹی یوتھ فیسٹول منعقد ہونے والا
تھا۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی کے مشورہ سے مجھے یوتھ فیسٹول
کا سکریٹری نامزد کیا گیا۔ میں نے ان کے اعتماد کو برقرار رکھتے ہوئے شب غزل
اور مشاعرہ کے انعقاد کی ذمہ داری قبول کی۔ جناب خواجہ بہاء الدین شب غزل اور
تہذیبی پروگرام کے کنوینر بنائے گئے مسز نہپال سنگھ ورما اور رئیس اختر کنوینر
مشاعرہ اور ڈاکٹر صادق نقوی سیمینار کے کنوینر مقرر ہوئے۔ مشاعرہ میں اُردو ہندی
کے زائد از (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا تھا یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب
مشاعرہ میں شعراء کو مومنٹو پیش کئے گئے اور سنمان کے طور پر شال اوڑھائی گئی۔
میں نے لسانی ہم آہنگی کا ثبوت دیتے ہوئے اُردو شاعروں کو دعوت سخن دینے
کے لیے نہپال سنگھ ورما کو اور ہندی شاعروں کو زحمت کلام دینے کے لیے رئیس اختر
سے درخواست کی تھی یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب رہا مقصدی اعتبار سے بھی

اور لسانی اعتبار سے بھی۔ مسٹر رمنا چاری اردو شعر و ادب کی سرگرمیوں اور تہذ
پروگرام کے انعقاد کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں جب وہ ڈائرکٹر
اشوریٹ گئے ہیں ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہے انہیں مجھ پر اس قدر
ہو گیا ہے کہ بعض پروگرام اس میری ذمہ داری پر پہلے طے کرتے ہیں اور بعد میں
اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ ماہ مئی میں دلی میں محکمہ تہذیبی امور کی جانب سے
پروگرام طے کیا گیا اور یہاں سے (۸ افن کاروں) کو دلی بھیجا گیا پروگرام کے
خواجہ بہاء الدین تھے انکی قیادت میں تمام فنکار دلی پہنچے اور شاندار پروگرام پیش
رمنا چاری صاحب کی خواہش پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے زیر اہتمام بہ ت
محکمہ تہذیبی امور و محکمہ اطلاعات عامہ اعلیٰ پیمانے پر ماہ مئی ۱۹۹۱ء میں حال
پیلس میں اردو ہندی کا ملا جلا قومی یکجہتی مشاعرہ منعقد کیا گیا اس مشاعرہ
میں شاعروں کا سنمان کیا جاکر شاعروں کی شال اوڑھائی گئی۔ اس مشاعرہ
۳۵ شاعروں نے کلام سنایا مقامی مسٹر رمنا چاری علاقہ تلنگانہ سے تعلق رکھنے والے
فرض شناس، دوست نواز اور باصلاحیت جواں سال عہدہ دار ہیں۔ محکمہ تہذ
امور کا جائزہ لینے کے بعد وہ بہتر سے بہتر پروگرام کی پیشکش کے لیے کوشاں
ہیں۔ رمنا چاری صاحب سے میرے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں ان کے مزاج
شائستگی، طبیعت کی نفاست اور ان کے مخلصانہ رویہ سے بے حد متاثر ہوا

(ماخوذ از "سلسلہ پھولوں کا" ۱۹۹۲ء)

ڈاکٹر رشید موسوی

(مہذب خاتون ۔ باوقار ادیبہ ۔ بہترین استاد)

وہ لوگ جن کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہوتا ہے اُن کی علمی خدمات کی روشنی میں اُن کی شخصیت کی خوشبو معاشرہ میں کچھ اس طرح پھیل جاتی ہے کہ علمی ماحول میں حررِ ناز کی محسوس ہونے لگتی ہے تہذیب یافتہ شخصیتیں نہ صرف اپنی گفتگو، اپنے لب و لہجہ اپنے اندازِ مخاطب اور اپنی طرزِ حیات سے اپنے شائستہ و معتبر ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہیں بلکہ ان کا رکھ رکھاؤ، ان کی اپنائیت اور ان کا خلوص اور ان کا شگفتہ طریقۂ زندگی بھی قابلِ تحسین و لائقِ تقلید ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر بامراد، کامران و کامیاب رہتے ہیں۔ ان کی زندگی صبح و شام کی خوشگوار ساعتوں سے عطر بیز رہتی ہے۔ لوگ ان کی شرافت، ان کے خلوص، ان کی شائستگی، ان کے بانکپن اور ان کی وضع داری کو خراج پیش کرتے رہتے ہیں اپنے ایک مخصوص نصب العین مخصوص نقطۂ نظر اور ایک خاص طرزِ حیات کو اپنانے والے لوگ تا عمر خوش

رہتے ہیں۔ زندگی کا چاہے کوئی بھی مسئلہ ہو وہ کسی بھی انداز سے کیوں نہ ہو
پذیر ہو۔ سلیقے کے ساتھ سلجھاتے ہیں۔ ہمارے شہر میں بیدار روشن دماغ دل
اور فکر و خیال کو تازگی بخشنے والوں کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے با
اور با صلاحیت لوگ زندگی کے ہر شعبہ میں مل جاتے ہیں لیکن کثرت میں وہ
کی بات بھی کچھ اور ہوتی ہے۔ باشعور لوگوں میں کچھ زیادہ با شعو
بھی شخصیتیں رہتی ہیں۔ جن کے وجود کا احساس صرف چند مخصوص حلقوں میں ہ
کرتا ہے مشاہدات و تجربات سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ لوگ
اپنی صلاحیتوں کے اظہار میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں سے پورا
فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس طرح کے لوگوں میں صرف حضرات ہی نہیں خواتین
بھی ہیں۔ کچھ لوگ اپنی زندگی میں ناقابل فراموش کارناموں کی وجہ سے یاد ر
جاتے ہیں جس کی وجہ معاشرہ ان کی شخصیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہما
شہر میں حضرات کے ساتھ خواتین بھی علمی و ادبی تہذیبی و ثقافتی
سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی ہیں آج بھی مختلف قسم کے فنون لطیفہ سے وا
ہو کر جلیل القدر خدمات انجام دے رہی ہیں حیدرآباد میں کچھ اہل قلم خواتین
ایسی بھی ہیں جو اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے کے لیے صرف
رہا کرتی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو خاموشی سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہ
بعض اہل قلم خواتین مسلسل دیتی، علمی و ادبی سرگرمیوں کے سبب شہرت
رکھتی ہیں تو بعض بہت کم اپنے قلم اور اپنی زبان سے کام لیتی ہیں لیکن ا
کی شہرت باقی رہتی ہے اس زمرہ سے تعلق رکھنے والی ادیبہ ڈاکٹر رشید موسو

نے بھی اپنی طالب علمی اور شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کو اس انداز سے رونق بخشی کہ ان کا تذکرہ آج بھی ادبی محفلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ شہر کا ادبی حلقہ ڈاکٹر رشید موسوی کی ادبی و علمی صلاحیتوں سے واقف ہے اگرچہ وہ ادبی محفلوں میں بہت کم شریک ہوتی ہیں بلکہ نہ دتی ہی نہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ جامعہ عثمانیہ کی ایک نہایت طالبہ رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ طنز و مزاح کے ممتاز شاعر حمایت اللہ صاحب کی شریک حیات ہیں ڈاکٹر رشید موسوی بھی زندہ دلانِ حیدرآباد کے اُن ابتدائی ارکان میں شامل ہیں جنھوں نے زندہ دلانِ حیدرآباد کی ترقی و ترویج میں کافی دلچسپی لی۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کی بھی رکن ہیں۔ چونکہ میں بھی زندہ دلانِ حیدرآباد کا ابتدائی اراکین میں سے ہوں اس لیے اپنی واقفیت کی بنا پر کہنے کے موقف میں ہوں کہ زندہ دلانِ حیدرآباد کے خصوصی اجلاسوں میں ڈاکٹر صاحبہ کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر رشید موسوی بہت کم بولتی ہیں کم گو ہیں لیکن اپنے بہترین مشوروں سے زندہ دلانِ حیدرآباد کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں معاون رہیں۔ وقت کی پابند ادیبہ ہیں ڈاکٹر صاحبہ اہلِ قلم حضرات و خواتین میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں ڈاکٹر موسوی حیدرآباد کی ایک مشہور و معروف خواتین کی محفل، محفلِ خواتین سے بھی اپنا قلمی رشتہ رکھتی ہیں محفلِ خواتین کے بعض جلسوں میں شرکت کر چکی ہیں محفلِ خواتین کے سالانہ ادبی میگزین میں ان کی تحریریں شامل ہوتی رہی ہیں روزنامہ سیاست میں بھی ان کے خاص ادبی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں شگوفہ

میں طنز و مزاح سے تعلق رکھنے والے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ڈاکٹر رشید موسوی جس زمانے میں ویمنس کالج میں صدر شعبۂ اردو تھیں ایک شاندار و یادگار مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ ناصر کرنولی اور میں نے بھی شرکت کی تھی میری شاعرانہ زندگی میں ویمنس کالج کا یادگار مشاعرہ کی طرح ریڈی کالج کا بھی مشاعرہ تھا جس میں صرف اساتذہ اور طالبات شریک تھیں۔ شہر کے دوسرے کالجوں میں بھی مشاعرے ہوتے رہے ہیں لیکن ریڈی کالج کی سرگرمیاں کچھ کم عروج پر نہیں تھیں۔ ریڈی کالج کی طالبات کو میں نے مختلف ادبی مقابلوں میں حصہ لیتے ہوئے اور کامیاب ہوتے دیکھا ہے ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے طالبات کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھتی تھی ڈاکٹر صاحبہ کے کالج میں سلمیٰ بیگم ابتی بھی اردو کی لکچرر تھیں جو ہمیشہ ریڈی کالج کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں دلچسپی لیتی رہیں حمایت اللہ صاحب سے ڈاکٹر رشید موسوی کی شادی ہونے کے بعد بھی وہ ادبی جلسوں میں شرکت کیا کرتی تھیں اب بہت کم شرکت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی سے میری پہلی ملاقات ویمنس کالج کے مشاعرہ میں ہوئی تھی اتنا مجھے یاد ہے شاید کسی اور مشاعرہ میں بھی ملاقات ہوئی ہوگی۔ زندہ دلان حیدرآباد کے اجلاسوں میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ کبھی ادبی جلسوں میں وہ موجود رہیں تو علیک سلیک ہو جاتی ہے جناب حمایت اللہ سے اکثر فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی ڈاکٹر رشید موسوی سے بھی فون پر گفتگو ہو جاتی ہے ڈاکٹر رشید موسوی نہایت باوقار و معتبر

خاتون ہیں حمایت اللہ اور ڈاکٹر رشید موسوی چاہنے اور چاہے جانے والے میاں بیوی ہیں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی ہے نہایت پُرسکون زندگی گذار رہے ہیں حمایت اللہ صاحب اعلیٰ صلاحیتوں، اعلیٰ کردار لیے مثال خلوص و مروت کی ایک ایسی علامت ہیں جس کی روشنی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے ڈاکٹر موسوی عابد علی خان صاحب کی رہائش گاہ پر منعقدہ بعض ادبی و شعری محفلوں میں شرکت کر چکی ہیں شکیلہ بانو اور عزیز وارثی کے پروگراموں میں بھی شریک رہی ہیں فیض احمد فیض اور اس طرح کے مشاہیر اردو کو مدعو کیے جانے کے موقع پر ڈاکٹر صاحبہ کو بھی مدعو کیا جاتا رہا ہے حمایت اللہ صاحب اس طرح کی محفلوں کے انعقاد میں عابد علی خان صاحب سے بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر موسوی شعر و ادب کی محفلوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں لیکن حیدرآباد کے تقریباً تمام نامور قلم کاروں سے واقف ہیں چونکہ ڈاکٹر رشید موسوی شعر و ادب کی دنیا سے بے خبر نہیں ہیں اس لیے ہر اچھے قلم کار کے بارے میں ان کے تاثرات اچھے ہیں ڈاکٹر موسوی کی تحریروں میں بے ساختگی ہے زبان و بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں ان کی بعض تحریریں ادب عالیہ کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہیں ان کا نثری لب و لہجہ سامع و قاری کو متاثر کرتا ہے ڈاکٹر صاحبہ شہر کی بعض معیاری انجمنوں سے وابستہ ہیں نام و نمود سے بہت دور رہتی ہیں محتاط روی، سلیقہ شعاری اور کم آمیزی کو ترجیح دیتی ہیں ڈاکٹر رشید موسوی کا قلم اگرچہ ان دنوں رواں دواں نہیں ہے لیکن اس سے کچھ زیادہ

فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان کے طالب علمی کی پُر وقار ادبی سرگرمیوں اور اُستاد
حیثیت سے ان کی شعری و ادبی مصروفیات کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔
ڈاکٹر رشید موسوی ۹ جولائی ۱۹۳۲ء کو حیدرآباد کے علمی و ادبی گھرانے میں
ہوئیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے گرلز ہائی اسکول نامپلی سے میٹرک کامیاب
کیا۔ ویمنس کالج سے بی اے اور آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔
سالِ اول میں بزمِ اُردو کی معتمد تھیں۔ بی اے سالِ دوم میں بزمِ اُردو کی
میں شامِ غزل، مشاعرہ، یومِ غالب، بیت بازی اور تقریری و تحریری
مقابلے منعقد کروائے۔ تقریری، تحریری، بیت بازی کے مقابلوں
میں حصہ لیا اور انعام بھی حاصل کیا۔ آرٹس کالج میں ایم اے فائنل میں
بزمِ اُردو تھیں۔ آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ میں اُردو کی سرگرمیوں کے فروغ
ڈاکٹر رشید موسوی کا خاص حصہ رہا ہے۔ پہلے یومِ محمد قلی قطب شاہ پہ
ٹیبلو پیش کیے تھے۔ بہ حیثیت طالب علم بہت زیادہ سرگرمِ عمل رہیں۔
کالج میگزین میں پابندی کے ساتھ مضامین شائع ہوتے تھے۔ بین الکلیہ
تقریری مقابلوں میں کئی انعامات حاصل کیے۔ بہ حیثیت لکچرر ریڈی
میں بے شمار مشاعرے کروائے۔ فراقؔ، مخدومؔ، شاہد صدیقیؔ، راہی معصوم
رضا اور بہت بڑی بڑی علمی و ادبی شخصیتوں کو کالج میں جلسے منعقد
کروا کر مدعو کیا۔ مزاحیہ محفلِ ادب اور مشاعرہ بھی کروایا۔ جس میں ورا
ہیومرس کانفرنس میں آئے ہوئے کئی شاعروں و ادیبوں کو مدعو کیا۔ سر
ڈنڈا نے بھی کالج کے مشاعروں میں کلام سنایا۔ ممتاز مزاح نگار بھارت چند کھ

اور جناب سز بندر بو نصر بھی کئی بار کالج آئے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں اُردو ٹیچر رہ ہوئیں۔ امتیازی حیثیت سے بی اے پاس کیا۔ درجہ اول میں ایم اے کامیاب کیا۔ مرثیہ اور عزاداری (۱۸۵۷ء - ۱۹۵۷ء) کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ۱۹۶۳ء میں ڈگری لی۔ ملک کی کئی اُردو اکیڈیمیوں نے ان کی کتابوں کو ایوارڈز دیئے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔
(۱) مرثیہ اور عزاداری (۲) کاغذی ہے پیرہن (۳) مزاحیہ نظمیں اور غزلیں۔ اُردو اکیڈیمی یوپی اور اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے ان کی کتابوں کو انعامات سے نوازا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے درسی کتب بھی مرتب کئے ہیں حکومت آندھرا پردیش نے ۱۹۹۱/۹۲ء میں بسٹ ٹیچر ایوارڈ سے نوازا ڈاکٹر صاحبہ شہر کی علمی و ادبی انجمنوں سے وابستہ رہی ہیں۔ سیمنارس اور سمپوزیمس میں حصہ لے چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی رکن بھی رہی ہیں انجمن ترقی اُردو، زندہ دلانِ حیدرآباد، فائن آرٹس اکیڈیمی سے وابستہ ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے بیسیوں پروگرام دے چکی ہیں دوردرشن سے بھی پروگرام پیش کر چکی ہیں بعض شخصیتوں کے علمی و ادبی کارنامے کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اُردو معاشرہ ان کا مرہونِ منت رہا کرتا ہے۔ میں ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصیت اور ان کی خاموش ادبی سرگرمیوں کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ خراج پیش کرتا ہوں ▬

نسیمہ تراب الحسن

(سلیم الطبع ۔ شریف النفس ۔ صاحب طرز قلمکار)

حیدرآباد میں زبان و ادب کی خدمت کرنے والوں میں جہاں مرد فن کاروں کی بہتات ہے وہیں خاتون اہل قلم کی بھی کمی نہیں ہے آج بھی حیدرآباد میں مختلف علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والی ایسی قلمکار خواتین موجود ہیں جن کی ادبی و شعری خدمات کے کافی چرچے ہیں۔ کچھ تو ایسی قلم کار ہیں جو شعری و ادبی محفلوں میں سرگرم عمل ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو اپنی کم آمیزی کی وجہ سے شعروادب کی محفلوں سے زیادہ قربت نہیں رکھتیں لیکن جہاں تک ان کی خدمات کا تعلق ہے اُن کا ادبی سفر جاری ہے جو اپنی بہترین تحریروں اور عمدہ شاعری سے نوازتی رہتی ہیں جو اپنی گھریلو مصروفیات کو نہایت سلیقے سے انجام دیتی ہوئیں قرطاس و قلم کی دنیا میں بھی اپنی خداداد صلاحیت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ نام و نمود کی پرواہ کیے بغیر اپنے قلم کی پرورش کررہی ہیں اِس طرح کی ایک صاحب طرز

حلیم الطبع، وضع دار، مہذب خاتون نسیمہ تراب الحسن بھی ہیں جن کی تحریریں غزلیں اور نظمیں ماہنامہ سب رس، خوشبو کا سفر اور شگوفہ میں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں کسی زمانے میں سلیمان اریب کی ادارت میں شائع ہونے والے منفرد ادبی رسالے ماہنامہ صبا میں بھی ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ میں نے نسیمہ تراب الحسن صاحبہ کا ایک مضمون ادبی رسالوں میں سب سے پہلے صبا میں پڑھا تھا نسیمہ تراب الحسن صاحبہ منتخب علمی و ادبی و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں۔ محفل خواتین کی رکن ہیں۔ ان کی تحریروں اور شاعری سے اہل محفل محظوظ ہوا کرتے ہیں نسیمہ صاحبہ کے مضامین (خاکے، انشائیے وغیرہ) پُر اثر ہوتے ہیں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں، صاحبان علم و دانش سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔ تقریباً ۳۰، ۳۵ برس سے ان کا قلمی سفر جاری ہے حیدرآباد کے علمی و ادبی گھرانے کی بہو ہیں۔ جناب سید تراب الحسن (آئی اے ایس) سابق کمشنر اوقاف (سکریٹریٹ) کی شریک حیات ہیں۔ ادبی جلسوں میں اکثر دونوں ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ نسیمہ تراب الحسن شاعرہ بھی ہیں غزلیں بھی کہتی ہیں نعتیں، سلام اور منقبتیں بھی۔ عام محفلوں میں بہت کم اپنا کلام سناتی ہیں البتہ محفل خواتین کے ہر مشاعرہ میں حصہ لیتی ہیں۔ اپنے بیشتر مضامین محفل خواتین میں پڑھ چکی ہیں ان کی شاعری کا سبک شعری ادب سے گہرا رشتہ رکھتی ہے۔ ان کا شاعرانہ لب و لہجہ شائستہ و شگفتہ اور پُر اثر ہے شعر نخت میں سناتی ہیں۔ مجھ سے کبھی کبھی مشورۂ سخن کیا کرتی

ہیں۔ ان کے شوہر محترم تراب الحسن صاحب سے میرے دیرینہ مراسم
تراب صاحب سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے تقریباً دس برس تک صدر
نشین رہے جبکہ میں بانی جنرل سکریٹری تھا۔ تراب صاحب کی خدمات
اسوسی ایشن کی بہترین سرگرمیوں کے لئے ہمیشہ معاون رہیں تراب صاحب
بھی بہ ذات خود نہایت شریف النفس انسان ہیں نہایت شگفتہ
سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک ہیں شعری، ادبی و تہذیبی محفلوں میں ان
کی موجودگی سے محفل کے رنگ وروپ میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ نہایت
مہذب، آداب محفل کو ملحوظ رکھنے والی شخصیت ہیں نہایت سادہ
طبیعت، مسکراتے ہوئے اپنی شام و سحر کے لمحوں کو زعفراں بنا دیتے
ہیں۔ تراب صاحب نہ تو شاعر ہیں اور نہ ہی ادیب۔ لیکن انہیں
شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ہے یار باش، محفل کے آدمی ہیں۔ نسیمہ
تراب الحسن کی ازدواجی زندگی نہایت کامیاب اور پھولوں میں تلنے
والی ہے۔ نہایت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں نسیمہ تراب الحسن مشہور و
معروف سیشن جج جناب غلام پنجتن کی بہو ہیں ان کے بڑے جیٹھ
عالمی شہرت یافتہ شخصیت عابد حسین صاحب سابق سفیر امریکہ ہیں۔
نسیمہ تراب الحسن حیدرآباد کی ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی
جاتی ہیں۔ ان کی شائستہ مزاجی نے ان کی شخصیت کو پُر وقار بنا دیا
ہے۔ اگر کسی محفل میں شرکت کرنی ہو تو وقت پر آتی ہیں اور محفل کے
اختتام تک شریک رہتی ہیں۔ آداب محفل سے پوری طرح واقف ہیں

محفل خواتین سے وابستہ تمام خاتون ادیبوں اور شاعرات سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج ہیں۔ نسیمہ صاحبہ کی تحریریں اردو ادب میں محفوظ رہنے والی تحریریں ہیں۔ ان کے مضامین کافی توجہ کے ساتھ سنے اور پڑھے جاتے ہیں حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ نسیمہ تراب الحسن جیسی لائق و فائق خاتون ادیبہ اپنے رشحات قلم سے دامن شعر و ادب کو سرسبز و شاداب کرنے میں مصروف ہیں نسیمہ تراب الحسن کا تاحال کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ممکن ہے کہ بہت جلد شائع ہو۔ سیاست اخبار میں ان کے مضامین مختلف موضوعات پر اشاعت پذیر ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کا کلام بھی شائع ہوتا ہے نسیمہ تراب الحسن سے میں اُن کی تحریروں کی وساطت سے واقف ہوا جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ان کا مضمون میں نے کئی برس پہلے "صبا" میں پڑھا تھا۔ ان سے میری شخصی ملاقات ادبی جلسوں کی معرفت ہوئی۔ تراب الحسن صاحب کے ہمراہ وہ محفلوں میں شریک رہا کرتی ہیں نسیمہ صاحبہ سے زیادہ تر فون پر بات ہوتی ہے تراب صاحب سے گفتگو کے لیے فون پر پہلا رابطہ نسیمہ صاحبہ سے رہتا ہے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے سلسلے میں تراب صاحب سے اکثر و بیشتر فون پر گفتگو ہوا کرتی تھی نسیمہ صاحبہ ایوانِ اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہتی ہیں بلکہ بعض جلسوں میں انھوں نے اپنے مضامین بھی پڑھے ہیں۔ اردو ہال میں ہونے والی انجمن ترقی اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہا کرتی ہیں نسیمہ صاحبہ ادارہ

بر اثر بہت لوگ کی محفلوں میں بھی شرکت کیا کرتی ہیں۔ بانی محفل خواتین محترمہ عظمت عبد القیوم کی یاد میں ہر سال منائی جانے والی ادبی تقریب میں لازماً شرکت کرتی ہیں تراب الحسن صاحب بھی ان کے ہمراہ رہتے ہیں۔ بانی عظمت عبد القیوم کی بعض محفلوں میں عظمت عبد القیوم کو اپنی منفرد تحریر کے ذریعہ خراج پیش کیا ہے اس سال عظمت عبد القیوم کی ۱۳ ویں برسی کے موقع پر منعقدہ ادبی جلسے میں بھی انہوں نے نہایت پر اثر مضمون پڑھا تھا۔ نسیمہ تراب الحسن اگرچہ علمی و ادبی، شعری و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں لیکن ان کے رکھ رکھاؤ میں گھریلوپن نمایاں ہے نہایت سادہ لباس زیب تن کرتی ہیں اپنے ہر ملاقاتی سے نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ ملاقات کرتی ہیں ادبی محفلوں میں جہاں جگہ مل جاتی ہے بیٹھ جاتی ہیں صف اول یا صف دوم میں بیٹھنے کی کبھی اُن کی خواہش نہیں رہی لیکن میزبان محفل ان کی ادبیانہ قدر و اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفل کی اگلی صف میں بٹھاتے ہیں۔ نسیمہ صاحبہ کا شعری و ادبی ذوق نہایت نکھرا ستھرا ہے اچھی اچھی معیاری کتابوں کے مطالعے نے اُن کی صلاحیتوں کو کافی نکھارا ہے چونکہ وہ ایک فطری ادیبہ ہیں اس لئے ان کی تحریروں میں بے ساختگی نمایاں ہے ان کی تحریروں کا کوئی ایک جملہ بھی صفحۂ قرطاس پر جبراً جگہ نہیں پاتا۔ خیالات کے بہاؤ کے ساتھ بہترین جملے اپنے صحیح مقام پر اپنا حق ادا کرتے ہیں۔ "باتیں کہنے سننے کی" نثر میں ان کی پہلی کتاب ہے جو ۳۵ مضامین پر مشتمل ہے

اس کتاب کا انتساب اپنے شوہر محترم تراب الحسن صاحب کے نام اس شعر سے کیا ہے۔ ع

تمہارے نام سے سب لوگ مجھ کو جان جاتے ہیں
میں وہ کھوئی ہوئی اک چیز ہوں جس کا پتہ تم ہو

نسیمہ صاحبہ حیدرآباد کی صف اول کی صاحب طرز ادیبہ نامور استاد جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی شاگرد رہی ہیں نسیمہ تراب الحسن کے بیشتر مضامین آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہو چکے ہیں ان کے پاس مضامین کا کافی ذخیرہ ہے بہت ممکن ہے اس اہم کتاب کے بعد ایک اور عمدہ سوغات ادبی حلقوں تک بہت جلد پہونچ جائے۔

نسیمہ صاحبہ نے روزمرہ زندگی کی کیفیات کو نہایت سلیقے کے ساتھ پُر اثر انداز میں قلم بند کیا ہے سیدھے سادے انداز میں اپنی بات کہنے میں مہارت رکھتی ہیں مشہور افسانہ نگار و نامور دانشور علی باقر کی بہن ہیں۔ نسیمہ تراب الحسن کا تعلق یوپی کے ایک زمیندار گھرانے سے ہے ان کی پرورش میرٹھ میں ہوئی ان کے والد محترم کا نام سید آفتاب حسین ہے جو اپنے دور کے قابل دانشوروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی والدہ ذکیہ بیگم نواب محسن الملک کی بھتیجی تھیں ۱۹۴۷ء کے بعد نسیمہ صاحبہ کے اہل خاندان حیدرآباد آئے یہاں ان کے ننھیال کے کئی افراد آصف جاہی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ جب وہ حیدرآباد آئیں تو ان کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ ان کا سارا خاندان علم و ادب کی دولت سے

مالا مال ہے ان کے والد، چچا، پھوپی بھی اچھے شاعر تھے حیدرآباد کی محفلِ خواتین سے وابستہ کرتے ہیں ڈاکٹر زینت ساجدہ کی دلچسپی کا بڑا دخل ہے نسیمہ تراب الحسن صاحبہ کا ادبی سفر جاری ہے یقیناً ان کا یہ ادبی سفر پوری تابناکی کے ساتھ جاری رہے گا اور ان کی تحریروں سے دامانِ ادب میں نت نئے رنگ کے پھول کھلتے رہیں گے اور سارا چمنِ اردو مہکتا رہے گا ــــ

محمد ظہیر الدین احمد

(ماہرِ اقبالیات۔ اعلیٰ ظرف وسیع النظر شخص)

شہر کے ایک جہاندیدہ صحافی جگر صاحب نے پتہ نہیں وہ کس موڈ میں تھے ایک دن اپنے کام کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ شریف لوگوں کی بہت کمی ہو گئی ہے، شاید انہیں کسی کی کوئی بات یاد آ گئی ہو کسی بات سے زچ ہو کر کبھی اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ممتاز صحافی کی اس چبھتی ہوئی بات پر میں نے جب غور کیا تو غور کرتا ہی چلا گیا۔ جب کبھی معاشرہ کے مہذب لوگ، سوسائٹی کی بہتری کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، چاہتے ہیں کہ ہر شخص پُر سکون زندگی گزارے۔ لیکن کچھ عوامل و عناصر منفی سرگرمیوں کے آلہ کار بنے ہوئے اچھے خاصے ماحول کو بگاڑ دیتے ہیں۔ ماحول کی خوشگوار فضاء کو مکدر بنا دیتے ہیں لیکن اس طرح کے لوگوں کی سازشی عمر لمبی نہیں ہوتی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ الخطاط پذیر ہو جاتے ہیں اخلاقی اعتبار سے بھی اور ذہنی طور پر بھی۔ میں تو یہ کہتا ہوں مسائل کے ساتھ انسان کو زندہ رہنا چاہیے ورنہ ساری زندگی صرف

دھندلی چھاؤں کی متلاشی نظر آئے گی کچھ اعلیٰ صفات، مصلح قوم وملت، سوسائٹی کی معتبر شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے ایک خاص مقصد حیات کی تکمیل کے لئے ساری عمر سرگرداں رہتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک پل صلح و آشتی شرافت و نجابت، انسانی رشتوں کی پاسداری اور قوم وملت کی سرخ روی کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے واقعتاً ایسے لوگ جو ایک خاص مقصد برآری کے لیے ہمہ تن مصروف رہتے ہیں وہ سوسائٹی کی نمائندہ شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور خاص طور پر ایسے لوگ جو نمائشوں سے دور رہتے ہوئے اپنی ذاتی شہرت سے پرہیز کرتے ہوئے بہت کچھ کر کے باوجود دیکھی انکساری کا پیکر بنے رہتے ہیں وہ چشم بصیرت و بصارت کی ایک مقدس امانت کی طرح لوگوں کی نظروں میں رہتے ہیں اس طرح کے اعلیٰ ظرف ستودہ صفات، باکردار، با اخلاق، بامروت، شرافت نواز محبت پسند لوگوں میں ماہرِ اقبالیات محمد ظہیر الدین احمد بھی ہیں جو دیوانے وار ایک ہی مسلک سے وابستہ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں اور وہ اعلیٰ مقصد علامہ اقبال کے فکر و خیال کو باشعور لوگوں تک پہنچانا اور اقبال شناسی اور اقبال پسندی کا عملی ثبوت دینا ہے۔ میں ظہیر الدین صاحب کی اقبال شناسی کے جذبۂ خلوص کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔ بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دیانت داری کے ساتھ اپنے مخصوص ذہن و فکر کی آبیاری میں مصروف رہتے ہیں ظہیر الدین صاحب اقبال اکیڈیمی کے روحِ رواں ہیں۔ میں گذشتہ ۱۴ برس سے انہیں دیکھتا آرہا ہوں۔ اقبال سے ان کی محبت کو محسوس کرتا آرہا ہوں اقبال کے علمی و ادبی

کاموں سے ان کی دلچسپی کو پسند کر رہا ہوں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو ظہیر الدین صاحب نے اپنے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے راہ ہموار کی ہوگی۔ میں ظہیر الدین صاحب کو بہت قریب سے جانتا ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شخص کی خوبیوں کو پرکھنے کے لیے ساری عمر اس کے ساتھ رہا جائے۔ کچھ ملاقاتیں بھی کچھ ایسا تاثر چھوڑ جاتی ہیں جو تاحیات باقی رہتی ہیں۔ ظہیر الدین صاحب جیسے نفیس انسانوں سے طبی رفاقت قطعی ضروری نہیں ہے دو چار ملاقاتیں ہی ان کو سمجھنے پرکھنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ میں اپنے تجربات کی روشنی میں یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ جن لوگوں سے برسوں سے میری شناسائی ہے دوستی ہے ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں سے کم کم ملاقاتوں اور کم کم دوستی کے باوجود یکساں طور پر دونوں میرے گوشۂ دل میں جلوہ فرما رہتے ہیں کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی ایک ہی جھلک یہ احساس دلاتی ہے کہ برسوں سے ان سے شناسائی ہے اور یہ کم کم ملاقاتوں کا احساس جب توی ہو جاتا ہے تو فاصلوں میں قربت کا لطف آجاتا ہے پھر ایک ایسا شخص جس کی ساری زندگی علم و عرفان، تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہو اس سے سرسری مراسم ہی سہی وہ شخص دل سے دور نہیں رہتا اور جہاں کہیں بھی مثبت اقدار کی بات نکلتی ہے، اُجالوں کا تذکرہ ہوتا ہے نیکیوں اور خوبیوں پر تبصرے ہونے ہوں تو ایسے علمی، دینی، مذہبی، تہذیبی، ادبی ماحول میں ظہیر الدین صاحب جیسے لوگوں کی خود بہ خود یاد آتی ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری ملاقات ظہیر الدین صاحب سے بہت کم ہوتی ہے لیکن کم کم ملاقاتوں کا نشہ کچھ اس طرح میرے وجود پر

جب کبھی مجھے علامہ اقبال کے کسی شعر یا نظم کے بارے میں پوچھنا ہو تو ان سے ربط رہتا ہے۔ کلام اقبال کے بعض شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ اپنے حافظہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کلیات اقبال دیکھنے کے بعد ہی جواب دیتے ہیں۔ ظہیر الدین صاحب نہایت ذمہ دار نہایت علم دوست انسان ہیں میری منہ بولی بہن صالحہ الطاف کی ایک کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" زیر اہتمام اقبال اکیڈیمی شائع ہو چکی ہے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ظہیر صاحب نے مکمل تعاون کیا تھا ظہیر صاحب کی نگرانی میں صوری و معنوی دونوں حیثیت سے شاہکار کتاب شائع ہوئی ہے جس کی رسم اجراء تقریب میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں منعقد کی تھی اس تقریب کو شہر کے شاہیر ارد و نے مخاطب کیا تھا جس میں ظہیر الدین صاحب بھی شامل تھے ظہیر الدین صاحب خالص علمی و ادبی آدمی ہیں اگرچہ وہ محکمہ برقی کے عہدہ دار رہ چکے ہیں ظہیر الدین صاحب نے اپنی ذاتی کوششوں سے ماتصاحب ٹینک کے قریب ایک بلڈنگ میں اقبال اکیڈیمی کے زیر اہتمام ایک لائبریری قائم کی ہے اس لائبریری کی ترقی کے لیے رد بنے تکا ن محنت کر رہے ہیں خدا کا شکر ہے کہ انہیں علمی و ادبی حلقوں سے تعاون حاصل ہو رہا ہے ان کے اس نئے کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے محمد ظہیر الدین احمد نام ہے ان کے والد کا نام مولوی محمد بشیر الدین احمد ہے ۲۵ر جنوری ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے جامعہ عثمانیہ سے بی ای (الکٹریکل) کامیاب کیا۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اقبال کشنش اور گر سبز (پروفیسر عالم خوندمیری) افکار تازہ (مضامین پروفیسر صلاح الدین) اقبالیات ماجد (مولانا عبدالماجد دریابادی کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر لئیق صلاح

(مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون قابل استاد و ادیبہ)

مسلم معاشرہ سے وابستہ بعض اہلِ قلم خواتین جو اپنے رکھ رکھاؤ، اپنی شائستہ طرزِ حیات اور ایک اچھوتی ادبی پہچان کے ساتھ شہرت رکھتی ہیں، ہمارے شہر میں موجود ہیں جن پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کی معزز، معتبر اور با صلاحیت خواتین صرف شعبہ شعر و ادب سے ہی تعلق رکھنے والی ہیں بلکہ مختلف شعبۂ زندگی میں بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح مشرقی تہذیب سے آراستہ، شائستہ اقدار اور اعلیٰ ذہن و فکر کی آئینہ دار ہیں جو اپنے پورے وقار کے ساتھ شعر و ادب کی دنیا سے وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نہ صرف ایک نامور ادیبہ، بہترین استاد بلکہ ایک نہایت مہذب خاتون ہیں جنھیں شعر و ادب کے ماحول میں بھی قدر و منزلت حاصل ہے جہاں کہیں بھی ڈاکٹر لئیق صلاح کا ذکر آتا ہے وہاں کے ماحول میں سنجیدگی، شرافت نفاست اور شائستگی کی رعنائیاں جلوہ افروز رہا کرتی ہیں آدابِ گفتگو

شرافت کی خوشبو، فکر و خیال کی روشنی اس بات کی غماز ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی ایک معزز خاتون ہیں جن کے اسلاف اور موجودہ اہل خاندان برگزیدہ اور شرافت نواز ماحول کے پروردہ ہیں۔ ڈاکٹر لیئق صلاح کی نرم گفتاری سبک خرامی، محتاط روی، شائستہ طرز تکلم اور آداب نشست و برخاست ان کی شخصیت کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ حیدرآباد میں خاص طور پر وہ اہل خواتین جو اُردو زبان، اُردو شعر و ادب اور اُردو تہذیب سے وابستہ ہیں اُن میں سے بہت سوں کو میں نہ صرف جانتا ہوں بلکہ ان کے علمی و ادبی کارناموں سے بھی واقف ہوں اور معاشرہ میں اُن کا کیا مرتبہ ہے اُس سے بھی واقف ہوں اُن میں سے بیشتر اہل قلم خواتین سے میرے شاعرانہ و ادیبانہ مراسم ہیں اُن ہی پر میں اپنے تاثرات پیش کر چکا ہوں اور شخصی تاثرات کا یہ سلسلہ جاری ہے ڈاکٹر لیئق صلاح کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات ایسی ہیں کہ ان پر قلم اُٹھاتے ہوئے مجھے یک گونہ مسرت کا احساس ہو رہا ہے ڈاکٹر لیئق صلاح کو میں اُس وقت سے جانتا ہوں جب کہ اُن کی تحریریں روزنامہ سیاست اور طنز و مزاح کے منفرد رسالہ شگوفہ میں شائع ہوتی تھیں۔ میں ان کے فکر و فن اور ان کی کے بہترین مضامین سے مستفید ہوتا رہا۔ اس کے باوجود ڈاکٹر لیئق صلاح سے مجھے شخصی ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاکٹر لیئق صلاح نے محفل خواتین سے اپنی وابستگی کے بعد جب اپنی تحریروں سے نوازنا شروع کیا تو میں اُن کی تحریروں سے اور بھی متاثر ہوتا رہا۔ محفل خواتین کے سالانہ جلسوں میں ڈاکٹر لیئق صلاح کے مضامین سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے کئی ماہانہ جلسوں میں بھی ڈاکٹر لیئق صلاح نے اپنے

مضامین پیش کیے ہیں۔ میں چونکہ قیام محفلِ خواتین سے ہی محفلِ خواتین کا ممبر ہوں اس لیے محفلِ خواتین کے سربراہ خاص طور پر بانی محفلِ خواتین ممتاز شاعرہ و ادیبہ عظمت عبدالقیوم محفلِ خواتین کے جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ سالانہ ادبی تقاریب اور غزلوں کی رات کے سلسلے میں مکمل تعاون حاصل کیا کرتی تھیں۔ سالانہ تقاریب کے موقع پر ایک ضخیم ادبی میگزین "غزلوں کی رات" کے نام سے شائع ہوتا تھا (اب بھی سالانہ تقریب کے موقع پر شائع ہوتا ہے) اس ادبی میگزین کے لیے عظمت عبدالقیوم مجھ سے تعاون حاصل کرتی تھیں عظمت عبدالقیوم بیشتر ادبی میگزین کی مدیرہ رہی ہیں۔ محفلِ خواتین کے وساطت سے بھی ان کی شخصیت اور ان کے علمی و ادبی کارناموں سے میں متاثر ہوا۔ ڈاکٹر لئیق صلاح حیدرآباد کے ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے تمام اہلِ خاندان اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نے اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی اپنی صلاحیتوں سے اطمینان کا احساس دلایا ہے کہ وہ آگے چل کر ایک نامور ادیبہ بننے والی ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نے ۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۰ء عارضی لیکچرار کی حیثیت سے ریڈی کالج، نوبھون کالج، ویمنس کالج (عثمانیہ یونیورسٹی) نظام کالج (عثمانیہ یونیورسٹی) سائنس کالج (عثمانیہ یونیورسٹی) میں اپنی خدمات انجام دیں۔ بی بی رضا ڈگری کالج میں بہ حیثیت لیکچرار ۱۹۸۰ء۔۸۳ء مستقل ملازمت اختیار کی۔ گلبرگہ یونیورسٹی میں ۱۹۸۳ء۔۹۸ء بہ حیثیت لیکچرار، ریڈر، پروفیسر (صدر شعبہ اردو) فائز [illegible] استقل وارڈن برائے طالبات کی پوسٹ گلبرگہ [illegible] ۱۹۹۷ [illegible]

۱۹۹۵ ۔ ۱۹۹۴ء چیئرپرسن رجسٹریشن کمیٹی برائے یوتھ فیسٹول
(ڈسٹرکٹ لیول ساؤتھ زون) نیشنل لیول ۹۵ ۔ ۱۹۹۴ء گلبرگہ یونیورسٹی
۹۰ ۔ ۱۹۸۷ء صدر نشین کرناٹک اردو اکیڈمی (بنگلور) ممبر پبلک پرچیزر کمیٹی
فار بکس (بنگلور) گورنمنٹ آف کرناٹک ممبر اڈوائزری کمیٹی A.I.R کرناٹک
(دھارواڑ) ممبر نصابی کمیٹی و بورڈ برائے امتحانات میسور، بنگلور یونیورسٹی
عثمانیہ یونیورسٹی، کیرالا یونیورسٹی، سنٹرل یونیورسٹی، راجستھان یونیورسٹی، پنجاب
یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی اور یو جی سی برائے نیٹ انتخاب۔ ممبر کونسل برائے فروغ
اردو ۹۹ ۔ ۱۹۹۷ء رہیں۔ سکریٹری اردو ماڈل اسکول حمایت نگر و مغل پورہ
تاحال ـــــ زیر نگرانی انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) ممبر برائے تیاری نصابی
کتب تحتانیہ تا اعلیٰ جماعتیں و آڈیو کیسٹ کی تیاری تحتانوی جماعت کے لیے
(حکومت کرناٹک بنگلور) بھی رہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح کی حسب ذیل مطبوعات ہیں
میر شمس الدین فیض ۱۹۸۰ء شمع تنہا (مزاحیہ مضامین و خاکے) ۱۹۸۱ء
عہد آصف جاہی میں علمی و ادبی خدمات ۱۹۸۵ء عکس در عکس (تحقیقی و تنقیدی
مضامین) ۱۹۹۲ء تقدم و تجدد (تنقیدی تحقیقی مضامین) ۱۹۹۴ء ـــــ
ڈاکٹر لئیق صلاح سے کبھی کبھی دفتر شگوفہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی وہ اپنے علمی و ادبی
کاموں کے سلسلے میں علمی و ادبی مراکز کے سربراہوں سے ملاقات کرنے کے علاوہ اردو
کتب خانوں سے بھی ربط باقی رکھی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح سیاست اخبار سے
اپنی ذہنی وابستگی رکھتی ہیں وقتاً فوقتاً سیاست میں ان کی تحریریں شائع
ہوتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے بے شمار ادبی انجمنوں کو مخاطب کیا۔ جلسوں میں

مضامین پیش ... معیاری سیمینار میں حصہ لیا۔ ملک کے کالجوں اور جامعات کی علمی و ادبی تقاریب میں حصہ لیتی رہیں۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر لئیق صلاح ایک شائستہ مزاح آمیز ادیبہ کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں ادبی جلسے اگر خاص اور معیاری ہوں تو شرکت کرتی ہیں وعدہ کی پابند ہیں۔ ادبی جلسوں میں مقررہ وقت پر آتی ہیں اور اجلاس کے اختتام تک شریک محفل رہتی ہیں۔ حیدرآباد میں بہت سے علمی و ادبی ادارے اپنے اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح ایسی ہی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں جہاں انہیں شرکت کرتے ہوئے اور مضمون پڑھتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نے ادارۂ بیسٹ شہر میرے لوگ کے بعض ادبی جلسوں میں بھی شرکت کی ہے جن کے پیش منتخب مضامین سے حاضرین محفل مستفید ہو چکے ہیں ڈاکٹر لئیق صلاح کی تحریریں اخبارات میں اشاعت پذیر ہونے کے علاوہ ادبی رسالوں کی بھی زینت بنتی رہتی ہیں۔ حیدرآباد کی حد تک ماہنامہ سب رس شگوفہ اور خوشبو کا سفر میں ان کی تحریریں اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں ڈاکٹر لئیق صلاح سے خاکے کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ طنز و مزاح کے موضوع پر بھی ان کے مضامین متاثر کرتے ہیں لیکن ان کے خاص علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی مضامین کا تاثر بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔ ان کے خیالات میں بہاؤ ہے قلم میں روانی ہے کثرت مطالعہ نے ان کے دل و دماغ کو روشنی کیلئے معلومات کی پہنائیاں اور کثرت مطالعہ نے ان کو صاحب طرز ادیبہ کا اعزاز عطا کیا ہے۔ مختلف علوم و فنون سے واقفیت کی وجہ سے ان کے طرز تحریر ... اچھوتے پن کو کافی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر لئیق صلاح ایک محتاط شائستہ پیر دقار ادیبہ کی حیثیت سے اردو ...

میں اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ مشہور ہیں۔ ڈاکٹر لیئق صلاح سے کبھی کبھی فون پر بھی بات چیت ہوتی ہے علمی و ادبی اور محفلِ مشاعرہ وغیرہ سے متعلق گفتگو رہتی ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر کرناٹک کے علاقے میں کہیں بھی کوئی مشاعرہ ہونے والا ہے اور اُن سے حیدرآبادی شعراء کے انتخاب کے سلسلے میں تعاون کی خواہش کی جائے تو وہ میرا نام ضرور دیں گی۔ بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض بڑے مشاعروں میں انہوں نے مجھ سے راست ربط پیدا کیا اور اُن مشاعروں میں حیدرآباد کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی۔ اس طرح کے مشاعروں میں ایک اہم و یادگار مشاعرہ رائچور کا بھی ہے جو ایک سال قبل منعقد ہوا تھا ڈاکٹر لیئق صلاح کو اس بات کا احساس ہے کہ حیدرآبادی قلمکاروں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے بلکہ ان کی شاعرانہ حیثیت کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیئے۔ ڈاکٹر لیئق صلاح اس طرح کے مواقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے شہر کے یا اپنے پسندیدہ قلمکاروں کو اپنے زیر اثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کرتی رہتی ہیں کئی برس پہلے کی بات ہے کہ گلبرگہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے شاعروں میں رحیم اختر اور میں مدعو تھے۔ مشاعرے کے دوسرے روز ڈاکٹر لیئق صلاح نے اپنے کالج (بی بی رضا ڈگری کالج) میں ہم دونوں کی خیر مقدمی تقریب رکھی تھی جہاں وہ اُردو کی استاد تھیں۔ ڈاکٹر لیئق صلاح کی یہ حیدرآباد نوازی اور شاعر نوازی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اظہارِ تشکر کے طور پر حیدرآباد میں میں ڈاکٹر صلاح کو محفلِ خواتین کے سالانہ جلسوں میں مدعو کرنے کے لیے محفلِ خواتین کے سربراہوں کو توجہ دلاتا رہا۔ خود اپنی ادبی انجمن میرا شہر میرے لوگ میں بھی مدعو کیا

ڈاکٹر لئیق صلاح کی تقریباً تمام کتابیں میرے پاس موجود ہیں میں نے بھی تقریباً اپنی تمام کتابیں ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ اور ان کی لائبریری کے لیے دی ہیں نئی کتابوں کا تبادلہ ہم شاعروں، ادیبوں میں ہوتا رہتا ہے لیکن ہر شاعر و ادیب کے لیے یہ طریقۂ کار روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ بعض ایسے قلم کار بھی ہیں جو صرف دوسرے شاعروں، ادیبوں کی کتابیں لینا پسند کرتے ہیں دینا نہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نہایت کم گو، منکسر المزاج، شائستہ و متین خاتون ہیں تمام ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر لئیق صلاح صاحبہ تک گلبرگہ میں رہیں۔ ان کی علمی و ادبی شخصیتوں نے ان کی ادبی خدمات سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے گلبرگہ کے تقریباً اہم جلسوں میں شرکت کی ہے اور اپنی بہترین معلومات آفریں تقریر و تحریر سے اہل محفل کو استفادہ کا موقع عنایت کیا ڈاکٹر لئیق صلاح صاحبہ کے مقالات آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اور دوردرشن سے نشر ہوئے۔ بعض مذاکروں میں انھوں نے شرکت بھی کی ہے۔ ڈاکٹر لئیق صلاح کا علمی و ادبی کام جاری ہے ان کی ادبی مصروفیات اور اردو ادبیات سے ان کی غیر معمولی دلچسپی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ادبی سفر جاری رہے گا پوری نوانائیوں کے ساتھ ◄

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی

(باصلاحیت استاد، نامور محقق، معتبر گوشہ نشین خاتون)

حیدرآباد میں بہت سے ایسے وضع دار گھرانے ہیں جن سے وابستہ ہر فرد کسی نہ کسی ادا سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس خانوادہ سے ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر خاندان میں ہر ایک شخص اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو، اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار سو قع بہ موقع کرتا ہوا دکھائی دے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی پہچان کے لیے دوسروں کا سہارا تلاش کرتا ہو۔ قابل لوگ اور ارتقا پذیر شخصیتیں خوشبو کی طرح سارے معاشرہ میں پھیل جاتی ہیں اور اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو اجالوں کی نعمتوں سے سرفراز کرتے رہتے ہیں بڑے گھروں میں بڑے لوگ بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔ بڑے اس اعتبار سے کہ وہ علم و عرفان کی نعمتوں سے نہ صرف خود فیض یاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی علم و آگہی کے فیوض و برکات سے نوازتے رہتے ہیں حصولِ علم کے لیے ساری زندگی گزارنی پڑتی ہے اس کے باوجود کوئی ایک شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا

کہ وہ اپنے موضوع، اپنے نقطۂ نظر کی ترجمانی میں حرفِ آخر ہے علوم و فنون میں کوئی بھی حرفِ آخر نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان ایک ہی منزل پر آکر رک جاتا اپنا سفر محدود کر دیتا اور اس نتیجہ پر پہونچ جاتا کہ اب اور کچھ زندگی میں باقی نہیں رہا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ نامکمل زندگی اور زندگی کا ادھوراپن انسان کو تاحیات رواں دواں رہنے کی تلقین کیا کرتا ہے اور ایک ایسا شخص جو مسلسل سفر میں رہتا ہے وہ چلتے ہی رہنا چاہتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ زندگی کے سفر میں طویل مسافت کے بوجھ سے تھک جاتا ہے اور یہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ انسان چلتے چلتے تھک جاتا ہے تو وہ ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں نکل جاتا ہے اور اگر کہیں سایہ دار درخت مل جائے تو دم لیتا ہے اور اپنے سفر کی تھکن دور کرتا ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد سفر کے لیے نکل جاتا ہے۔ نیرنگیٔ حیات بہر صورت اپنے کرشمے دکھلاتی رہتی ہے تلخیوں کے ساتھ راحتیں، دھوپ کے ساتھ چھاؤں شام کے ساتھ سویرا، اُجالوں کے ساتھ اندھیرے ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں حالات کی تیزی و تبدیلی، موسم کی ہمہ رنگی، کیفیت ایک انسان کو جینے کا فن سکھاتی ہے اور ایک کامیاب انسان ہر قسم کے حالات سے آنکھیں ملاتے ہوئے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ علمی و ادبی گھرانے کے لوگ، علوم و فنون کی نعمتوں سے تاحیات فیض یاب رہتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ دیوانگی کی حد تک علوم و فنون کی سرفرازیوں سے استفادہ کرتے رہیں۔ اور ایسے بیشتر مواقع آجاتے ہیں جن سے انسان کما حقہٗ مستفید ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد میں علمی و ادبی گھرانوں کی کمی نہیں ہے لیکن ہر تعلیم یافتہ گھرانے سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ اس کا ہر فرد ذاتی

ادبیات کی مکمل پاسداری کرے اور علم و آگہی کی کسوٹی پر پوری طرح اتر جائے۔ پھر بھی اگر چشم بصیرت اُس کا ساتھ دے تو وہ لوگ جو خاموشی کے ساتھ اپنے علمی و ادبی مصروفیات میں گم رہتے ہیں ان پر نظر پڑ ہی جاتی ہے

حضرت فصاحت جنگ جلیل کے خانوادہ میں تقریباً تمام لوگ علم و فضیلت سے بہرہ ور ہیں کہیں زیادہ کہیں کم۔ زیادہ کے زمرہ میں جہاں تک میری معلومات ہیں ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے بعد ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کا نام آجاتا ہے یہ میرے ذاتی تاثرات اور معلومات ہیں۔ میں اپنی شاعرانہ و ادیبانہ زندگی میں ان دو روشن چراغوں کی روشنی سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس سے انکار نہیں کہ ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کے والد محترم عزیز احمد جلیلی اور مشتاق جلیلی کا نام بھی شعر و ادب کے حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے پھر بھی اس خاندان میں حرفِ اول کی حیثیت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی ہے اور حرفِ ثانی کی ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کی۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شاعر ہی ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے نقاد، مبصر، محقق اور دانشور بھی ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف شعر و ادب کی دنیا سے وابستگی ہے ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی زندگی پر بہت کچھ لکھا جانا چاہیئے۔ میں نے اُن کے فن اور شخصیت پر ایک بھرپور مضمون لکھا ہے جو میری کتاب "پھر وہی پرچھائیاں" (۱۹۹۳) میں شامل ہے نیز اس طرح کے مضامین "خوشبو کا سفر" میں بھی شائع کیے ہیں۔ اور اس مضمون کا اقتباس میری نئی کتاب "روشنی، خوشبو، چمک" (۲۰۰۲ء) میں نذرِ قارئین کیا جا چکا ہے اس خانوادہ کی دوسری شخصیت ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کی ہے۔ ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کی ابتدائی تعلیم مہاراشٹرا کے ان مختلف اضلاع

میں ہوئی جہاں اُن کے والد محترم عزیز احمد جلیلی کی پوسٹنگ ہوتی رہی
جمیرہ نے میٹرک چادر گھاٹ گرلز ہائی اسکول سے کیا اور ویمنس کالج عثمانیہ
یونیورسٹی سے گریجویشن۔ بی ایس سی کے بعد بجائے ایم ایس سی کے ایم اے اردو میں داخلہ
لیا۔ ان کے اساتذہ میں پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قتیل
پروفیسر اکبر الدین صدیقی، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر حمید شطاری، ڈاکٹر غلام
عمر خان تھے۔ ایم اے آخر میں "نصیر الدین ہاشمی حیات اور کارنامے" کے موضوع پر
مقالہ لکھا۔ "سب رس کی تنقیدی تدوین" پر زیر نگرانی ڈاکٹر حفیظ قتیل پی ایچ ڈی
کی تکمیل کی۔ "کلمۃ الاسرار" شائع کی اور "قطب مشتری" کی تدوین کی۔ سیاست
اخبار کے لیے مشاہیر اردو کے انٹرویو لیے۔ تبصرے لکھے۔ انٹرویوز کا مجموعہ "گفتگو"
کے نام سے شائع ہوا جس کے لیے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ نے جزوی امداد
دی تھی۔ "سنت ملکی بائی" بھی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کی رقمی
اعانت سے شائع ہوئی۔ اندرا گاندھی بسٹ ٹیچر ایوارڈ ملا۔ مغربی بنگال اردو
اکیڈیمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی نے "سب رس کی تنقیدی تدوین" پر انعام سے
نوازا۔ ڈاکٹر جمیرہ جلیلی کو میں تقریباً ۲۵ برس سے جانتا ہوں۔ جمیرہ کو اردو شعر و
ادب سے بے حد دلچسپی ہے جونیر کالج عالیہ میں صدر شعبۂ اردو رہیں۔ اپنی ملازمت
کے زمانے میں بے شمار تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کا وسیلہ بنی رہیں۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ جمیرہ نے اپنی ساری زندگی اپنے والدین کی خدمت کے ساتھ ساتھ اردو
زبان کی ترقی و ترویج کے لیے وقف کر دی ہے۔ جمیرہ جلیلی ایک حرکیاتی شخصیت
ہیں۔ انتہائی وضع دار، خاموش طبع ہیں معتبر اور باوقار طرزِ حیات کی اعلیٰ نمونہ

ہیں۔ ویسے ادبی جلسوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں وہ خاص خاص علمی و ادبی تقاریب میں شرکت کرتی ہیں استادِ شاہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہونے کے ناتے کبھی انھوں نے اس عظیم الشان ورثے کے سبب شعر و ادب کے معاملات میں اپنے خاندانی پس منظر پر فخر محسوس نہیں کیا البتہ وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہیں کہ وہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہیں اور انکساری سے یہ کہتی ہیں کہ میں اپنے دادا کی صرف پرچھائی ہوں، عکسِ جمیل نہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور ان کے شعری و تہذیبی قدر و قیمت سے استفادہ کرنا ہی میری سعادت مندی ہے۔ حمیرہ انتہائی منکسر المزاج، شائستگی کا پیکر ہیں ان کا لب و لہجہ، ان کا اندازِ گفتگو شگفتگی و شائستگی کا مظہر ہے انتہائی بردباری کے ساتھ محوِ تکلم رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اردو زبان و ادب کا ایک معمولی طالب علم سمجھتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی محقق بھی ہیں اور بہترین ادیبہ بھی۔ حمیرہ جلیلی کی تنظیمی صلاحیتیں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہیں انھوں نے حضرت فصاحت جنگ جلیل کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ۱۹۸۲ء میں ایک ادبی انجمن دبستانِ فصاحت جنگ جلیل کے نام سے قائم کی ہے اس انجمن کا ایک شعبۂ خواتین بھی ہے جس کے سالانہ جلسے خاص طور پر یادگار رہتے ہیں طلباء و طالبات کے لیے تحریری، تقریری مقابلے، بیت بازی کا اہتمام بڑی دلچسپی سے کیا کرتی ہیں انھوں نے اس طرح کی بیسیوں تقاریب منعقد کیں۔ مذہبی، دینی جلسوں سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں چنانچہ دبستانِ جلیل کے زیرِ اہتمام وقتاً فوقتاً دینی جلسے منعقد کرتی رہتی ہیں

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی نہایت سادہ طبیعت، مہذب پُروقار شخصیت کی حامل خاتون مشرق ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول مشرقی آداب کی ترجمانی کیا کرتا ہے گھر کے تمام لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں دینی مصروفیات کی وجہ سے سارے گھر پر نور و نکہت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اچھے لوگ، اچھے گھرانے، خدائے قدوس کی خاص مہربانیوں کی سوغات سمجھے جاتے ہیں۔ میں ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کی ادبی خدمات سے بھی واقف ہوں جب تک اُن کے والد کی صحت ان کا ساتھ دیتی رہی وہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ساتھ ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اپنی طویل علالت کی وجہ سے تقریباً خانہ نشین ہو گئے ڈاکٹر حمیرہ اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ کی خدمت میں ایثار یادہ وقت صرف کرتی ہیں حمیرہ جیسی سعادت مند اولاد خوش نصیبوں کے حصہ میں آتی ہے حمیرہ جلیلی کے ادبی مضامین، ادبی رسائل میں کم کم دکھائی دیتے ہیں البتہ ان کی کتابیں نہ صرف قابلِ مطالعہ ہی ہیں بلکہ اپنے موضوع کے اعتبار سے دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں حمیرہ جلیلی کے زیر انتظام کئی ادبی تقاریب میں شرکت کر چکا ہوں میرے ادبی معاملات میں وہ نہایت ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں ڈاکٹر حمیرہ جلیلی سے فون پر گفتگو ہوا کرتی ہے ایک عرصہ تک وہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے فون پر میری گفتگو کے لیے رابطہ بنی رہیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ہاں علیحدہ ٹیلی فون نصب نہیں ہوا تھا ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور ڈاکٹر حمیرہ جلیلی ایک ہی بڑے مکان "جلیل منزل" میں رہتے ہیں۔ میں نے اپنی ابتدائی تحریر میں حرف اول اور حرفِ ثانی کی بات

تو بات کہی لیکن حرفِ آخر کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ خانوادۂ فصاحت جنگ جلیل کے ایک اور روشن چراغ رشید جلیلی ہیں جو اپنی بہترین شاعری کی وجہ سے شہر کی علمی و ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جن کا پہلا مجموعہ آرزو کے چراغ کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ مجھے وہ لوگ زیادہ متاثر کرتے ہیں جو انسانی رشتوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اسلاف کی قدر و منزلت کو اپنے دل و جان کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور جو اپنے اسلاف کی خوشبو سے اپنے پیراہنِ جسم و جاں کو مہکاتے رہتے ہیں ڈاکٹر حمیرہ جلیلی اس لیے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیں گی کہ وہ اپنی علمی ادبی و تہذیبی مصروفیات کے باوجود اپنے والدین کی خدمت میں پوری طرح وقف ہیں۔ ایسی صالح اولاد کے لیے ماں باپ کے دل سے ہمیشہ دعائیں نکلتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی اپنے خاندان کی ایک روشن چشم و چراغ تو ہیں ہی لکھنے والے ہم قلم کاروں کے قبیلے سے بھی اٹوٹ رشتہ رکھتی ہیں۔ دونوں رشتے اپنی اپنی جگہ مستحکم ہیں جو نئی نسل کو یاد دلاتے رہیں گے کہ تہذیبی اقدار کیا ہوتے ہیں

★

علامہ اعجاز فرخ

(مایۂ ناز خطیب۔ صاحب طرز ادیب و شاعر)

ایک ایسا شخص جو میری دوستی کے ابتدائی دنوں میں ایک سیدھا سادا شرمیلا، شاعرانہ و عاشقانہ مزاج اور والہانہ جذبۂ رفاقت کا حامل تھا جب وہ کئی برسوں کے بعد مجھ سے ملا تو ایک مایہ ناز خطیب، ممتاز دانشور اور نباضِ وقت علامہ کی شکل میں اپنی پوری پہچان اور مکمل فراغت کے ساتھ خاص طور پر مسلم معاشرہ کا مرکز نگاہ بنا ہوا تھا جس کی اعلیٰ درجہ کی خطابت نے ہزاروں لوگوں کے اجتماع کو اپنی گرفت میں رکھا ہے جس کی تقریر کا ایک ایک لفظ پُر اثر اور ایک ایک جملہ مرصع و مسجع اردو کا مظہر ہوتا ہے جب وہ مائک پر آتا ہے تو سارا مجمع اُس لمحہ کا بے صبری کے ساتھ منتظر رہتا ہے کہ پہلا جملہ کب اُس کی زبان سے نکلے گا اور جب وہ کسی بھی موضوع پر کہنے لگتا ہے تو فصاحت کے دریا بہنے لگ جاتے ہیں اس کا ہر جملہ سامع کے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے دل و دماغ روشن ہوتا ہے

اور ذہن و فکر کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ شعلہ بیان خطیب ہمارے شہر کی آبرو بڑھانے اور مسلم معاشرہ کو صراط مستقیم کی راہ دکھانے میں زیادہ پیش پیش ہے جس کے فکر و خیال کے تمام گوشے روشن ہیں جو اپنی تقریر کے دوران اپنی معلومات کے خزانے لٹا دیتا ہے اس کا دامن ہمیشہ بھرا ہوا رہتا ہے اس کے علم کی دولت، تمام حاضرین محفل کو رئیس بنا دیتی ہے کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس محفل سے خالی ہاتھ واپس ہو رہا ہے وہ آتا تو ہے خالی ہاتھ لیکن لوٹتا ہے تو معلومات کے بیش بہا خزانے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اس طرح کی تمہید کا [illegible] آئینہ دار ہمارے شہر میں وہ ایک شخص ہے جس کو مسلم معاشرہ علامہ اعجاز فرخ کے نام سے جانتا ہے یقیناً علامہ اعجاز فرخ مجالس اہل بیت میں صف اول کے ذاکر سمجھے جاتے ہیں شیعہ برادری میں اعلیٰ قدر و منزلت کے حامل ہیں جب کسی کو ملت اسلامیہ کے کسی بھی گوشے پیران کی تقریر سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ اپنی قسمت پر ناز کرتا ہے علامہ اعجاز فرخ کا خطاب خاص طور پر کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے مذہبی و سیاسی اجتماع میں بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہتا ہے۔ علامہ اعجاز فرخ کی تحریریں بھی دل و دماغ کے تمام گوشوں کو منور کر دیتی ہیں جگمگا دیتی ہیں۔ ہر موضوع پر انھیں کھل کر اظہار خیال کرنے کا ملکہ حاصل ہے اخبار سیاست میں اب تک ان کے جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں یا کسی نہ کسی مسئلہ پر ان کا پریس نوٹ شائع ہوتا ہے تو دل و دماغ کو جھنجھوڑتے

والا ہوتا ہے علامہ فرخ کی مرصع و مسجع اردو جہاں فکر و خیال کے حلقے میں بے حد پسند کی جاتی ہے وہاں ان کی تحریر کا ہر جملہ مرصع و مسجع عبارت کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے علامہ فرخ خاص طور پر مذہبی و سیاسی جلسوں کے لیے ناگزیر ہو گئے ہیں وہ ہمیشہ اہم اور معیاری جلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ علامہ کی قابلیت کا یہ فیضان ہے کہ وہ ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں علامہ کم آمیز ہیں۔ عام جلسوں میں ان کی کم کم شرکت نے ان کے وقار میں کچھ اور اضافہ کیا ہے موزوں ترین محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ ہیں مجلس کے بعض اہم جلسوں میں لازماً شریک ہوتے ہیں اور اپنے پر اثر خیالات سے سارے مجمع پر چھا جاتے ہیں۔ علامہ اعجاز فرخ سے میری دوستی بہت قدیم ہے غالباً ۲۵ برس پہلے سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں علامہ فرخ کو میں قطعی نہیں جانتا تھا لیکن وہ مجھے جانتے تھے شاید مشاعروں کی وساطت سے کبھی کبھی علیک سلیک ہوا کرتی تھی وہ ہماری مدینہ ہوٹل کی نشستوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں ہم (صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ناصر کرنولی) اکثر مدینہ ہوٹل کے ایڈوکیٹ ہال میں ایک کیبن میں ہر رات ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک لازماً بیٹھا کرتے تھے یہ سلسلہ تقریباً ۸، ۹ برس تک چلتا رہا۔ اُن دنوں علامہ اعجاز فرخ محکمہ ایئر فورس سے تعلق رکھتے تھے وہ ہم سے ملنے کے لیے کبھی کبھی آتے تھے شعر و شاعری پر گفتگو رہتی۔ شہر کی ادبی و شعری محفلوں کا تذکرہ رہتا۔ حسبِ روایت چائے کا پہلا، دوسرا کبھی تیسرا دور بھی چلتا رہتا

تھا۔ اُن دنوں علامہ فرخ مہنگا اور بڑھیا سگریٹ پیتے تھے غالباً 555 ۔ فرخ بہت زیادہ سگریٹ پیتے تھے میں نے اُس زمانے میں یہ محسوس کیا کہ وہ کافی غیر سنجیدہ اور اُلجھے اُلجھے ہوئے رہتے ہیں اور ذہنی سکون کی تلاش میں ہم سے ملاقات کرتے ہیں وہ اس قدر خاموش رہتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ ذہن میں کچھ چل رہا ہے سگریٹ کے کش پر کش لگاتے تھے مگر فرخ کبھی کبھی کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن ان کا اندازِ گفتگو شاعرانہ و عاشقانہ ہوتا تھا انہیں اساتذۂ سخن کے بہت سے شعر یاد ہیں ۔ خاص طور پر ساحر لدھیانوی اور مخدوم محی الدین کے کلام سے بے حد متاثر ہیں۔ ساحر کی مشہور نظم پرچھائیاں اکثر سُنایا کرتے۔ پھر کئی برسوں کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دن میں نے "سیاست" میں اُن کا انتہائی چونکا دینے والا مضمون پڑھا۔ پتہ نہیں وہ ادبی تھا کہ سیاسی ۔ بے حد مسرت ہوئی کہ ہمارا ایک دیرینہ رفیق ایک ممتاز قلم کار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آرہا ہے ۔ اس مضمون کے بعد علامہ فرخ سے سیاست آفس میں کبھی کبھی ملاقات ہوجاتی تھی وہ اپنا کوئی ایک مضمون سیاست میں اشاعت کے لیے لے آتے تو جگر صاحب سے ملاقات کرتے ان کے مضامین خصوصیت و اہمیت کے ساتھ شائع ہوتے رہے (اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں) علامہ فرخ بلند مرتبت خطیب اور صاحب طرز ادیب ہی نہیں ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ وہ شعر بھی کہتے ہیں لیکن نہ تو کسی مشاعرہ میں کلام سناتے ہیں اور نہ ہی ان کا کلام کسی اخبار میں شائع ہوتا ہے وہ اساتذۂ کرام کے کلام کی

دل وجان سے قدر کرتے ہیں ترقی پسند شاعروں کے کلام کے بے حد دلدادہ ہیں علامہ فرخ سے میری ملاقات نہیں ہونے کے برابر ہے۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوتی ہے یا کبھی وہ سیاست آتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے زاہد علی خان صاحب سے بھی اُن کے مراسم ہیں۔ جب کبھی یادِ ماضی کی پرچھائیاں ان کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں تو فون پر دیر تک گفتگو کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کے ہاں یادوں کی بہت بڑی دولت ہے پرانی تہذیبی روایات کو اپنے سینے سے لگائے پھرتے ہیں انسانی رشتوں کی پاسداری بھی ان کا مقصدِ حیات ہے نہایت معقول سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ ان کی بے لوث دوستی ایک ایسا روشن پاک و صاف آئینہ ہے جس میں کسی قسم کے بھی دھبے نہیں ہیں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کی آئینہ دار ان کی زندگی نکھری سنہری ہے پتہ نہیں ان کے احباب کے حلقوں میں کون کون شامل ہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جتنے بھی ان کے احباب ہوں گے وہ تعلیم یافتہ، شائستہ اور اعلیٰ اقدار کے پاسدار ہوں گے۔ آج ہر معقول انسان اچھے دوستوں کی رفاقت کی سلامتی کے لیے دعا مانگتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا ہر اچھا دوست انسانیت کا پورا پورا حق ادا کرے۔ اچھے ماحول اور اچھے شام و سحر سے وابستہ رہے ہے علامہ فرخ کا لب و لہجہ ہر مخاطب کے لیے پُرکشش رہتا ہے رب العزت نے انہیں بہت ہی پُر اثر آواز سے سرفراز کیا ہے ان کے لب و لہجہ میں شگفتگی اور ترو تازگی کے علاوہ ایک قسم کی مقناطیسیت ہے جو سامع کو فوری اپنی طرف متوجہ کرتی ہے آج علامہ فرخ ہمارے شہر کے صفِ اول کے دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں یہ دیکھ کر دل و جان کو مجھے دلی مسرت ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا دوست پورے وقار کے ساتھ معاشرہ کا ایک اہم حصہ بنا رہے۔

ڈاکٹر ایم اے حفیظ

(ہمدرد مسیحا۔ با مروت انسان بہترین ادیب)

زندگی کے مختلف شعبوں سے رشتہ رکھنے والے لوگ جب کسی ایک خاص شعبہ سے کچھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں تو اُن کی صلاحیتوں کے بارے میں نہ تو کچھ زیادہ غور کیا جاتا اور نہ ہی ان کے بارے میں زیادہ سوچا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس طرح کے لوگ اپنے مخصوص شعبہ ہی میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہتے ہیں لیکن جب کچھ لوگ ایک سے زائد شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن میں برابر کا حصہ ادا کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کس شعبہ میں وہ اپنی قابلیت کا زیادہ اظہار کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس شخص کو جس انداز سے بھی نوازنا چاہتا ہے یہ سب اُس کی عنایتوں پر منحصر ہے۔ میں یہاں ایک ایسی ممتاز شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہمدرد مسیحا ہی نہیں نامور ادیب بھی ہیں بلکہ ایک با مروت، شریف الطبع، قفید المثال انسان بھی ہیں۔ ڈاکٹر ایم اے حفیظ دواخانہ آصری میں ہمدرد مسیحا کی حیثیت سے

زندگی اور موت کی کشمکش سے رشتہ رکھنے والے انسانوں کی خدمت کرتے آرہے ہیں ڈاکٹر صاحب دواخانہ آسریہ کے سینیئر ڈاکٹر ہیں جن کے حسنِ اخلاق اور ان کی حوصلہ افزا گفتگو ہی سے مریض کی آدھی بیماری دور ہو جاتی ہے نہایت مخلص ہمدرد انسانیت دوست آدمی ہیں ہزاروں مریضوں کی دعائیں لے چکے ہیں اور ہزاروں دعاؤں کے زیرِ اثر اپنی مطمئن زندگی گزار رہے ہیں دواخانہ آسریہ کے مقبول ترین ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ڈاکٹر حفیظ پیشۂ مسیحائی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ قرطاس و قلم کی آبرو بھی بڑھا رہے ہیں ایک ادیب اور ایک ممتاز دانشور کی حیثیت سے زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری شخصی ملاقات آج سے دو سال پہلے نظام آباد میں منعقدہ کل ہند مشاعرہ میں ہوئی تھی انھوں نے ازراہ شاعر نوازی مجھے سلام کیا میں مشاعرہ گاہ میں نظام آباد کے مقبول ترین شاعر جمیل نظام آبادی سے محوِ گفتگو تھا۔ حفیظ صاحب نے جب اپنا نام بتایا تو میں نے مصافحہ کیا اور مصافحہ کی منزل پر اپنی گرفت کو مضبوط رکھتے ہوئے بے حد مسرت محسوس کیا اور دریافت کیا کہ آپ وہی ایم اے حفیظ تو نہیں جو ہبیتہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اپنے بھرپور پُر اثر آواز میں اثبات میں جواب دیا۔ اس ملاقات کے دوران میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر حفیظ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ سیاست میں شائع شدہ وہ تحریریں جو عصرِ حاضر کے اہم مسائل پر حیطۂ تحریر میں لائی گئی تھیں ایک ایک کرکے یاد آتی رہیں۔ ڈاکٹر حفیظ زندگی کے مختلف مسائل پر خامہ فرسائی کا ملکہ رکھتے ہیں

ڈاکٹر حفیظ کو اردو شعر و ادب سے کافی لگاؤ ہے بہت ہی سلجھا ہوا ادبی ذوق رکھتے ہیں مشاعروں کے شوقین ہیں شعر فہمی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے مزین ہیں ادبی ٹرسٹ اور شکروجی کے مشاعروں میں بہ پابندی شرکت کرتے ہیں۔ اجمالی گفتگو کے بعد جو انتہائی خوشگوار فضا میں ہوئی۔ بس اُسی موڈ میں شہ نشین پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر حفیظ بھی سامعین کی اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر حفیظ ہر اچھے شعر پر دل کھول کر داد دے رہے ہیں۔ اس مشاعرہ میں کل ہند مشاعروں کے نامور شعراء والی آسی، معراج فیض آبادی، ملک زادہ منظور احمد کے علاوہ حیدرآباد کے شعراء میں رئیس اختر اور راقم الحروف بھی شامل تھے مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ ڈاکٹر حفیظ کے داد دینے کا طریقہ بھی مجھے پسند آیا۔ انتہائی باوقار انداز میں شعراء کو داد و تحسین سے نوازتے رہے۔ اس مشاعرہ کے کچھ مہینوں بعد بزم جوہر کے ادبی اجلاس میں ڈاکٹر حفیظ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ ڈاکٹر حفیظ نے ایک سامع کی حیثیت سے شرکت کی ہے ڈاکٹر راہی نے جب ڈاکٹر حفیظ کو مذاکرہ میں اظہار خیال کی دعوت دی تو میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتفاق سے میں بھی مبصر کی حیثیت سے شریک محفل تھا مجھے بھی اجلاس کو مخاطب کرنا تھا تقریر کے دوران ڈاکٹر صاحب اپنے معلومات و تجربات کا خزانہ لٹاتے رہے ڈاکٹر صاحب کو قدرت نے پرکشش لب و لہجے سے نوازا ہے میں ان کے ہر جامع جملہ سے متاثر ہوتا رہا۔ اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اگر اس طرح کی باکمال شخصیتیں قلم کاروں کی محفلوں میں رونق افروز ہوتی رہیں تو محفلیں پُر نور ہوتی جائیں گی۔ میں نے ان سے خواہش کی کہ آپ بزم جوہر کے ادبی جلسوں کے علاوہ شہر کی محفلوں میں بھی شرکت

کریں۔ خاص طور پر میرے زیرِ اہتمام ادبی اداروں میرا شہر میرے لوگ وغیرہ
ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے پوری طرح میری
خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ گاہے گاہے ہماری محفلوں میں دکھائی
دیتے ہیں۔ لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ وہ اردو گھر میں منعقدہ بعض جلسوں
اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں مجھے اردو گھر کے بعض مشاعروں میں
ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اس طرح
ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شریک رہتے ہیں کہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ
پوری طرح اس ادبی محفل اور مشاعرہ کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔
اخبار سیاست اور منصف میں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ ان کے مضامین
پڑھتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ ڈاکٹر صاحب صرف اردو سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں
بلکہ ان میں کافی سیاسی شعور ہے ان کا مشاہدہ بہت تیز ہے ان کے
تجربات اپنی آپ مثال ہیں ڈاکٹر صاحب دورانِ تقریر اپنے موضوع سے
ہٹ کر کوئی اور بات نہیں کہتے۔ شاید یہ اس لیے بھی ممکن ہو سکا ہے
کہ وہ ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ لب ولہجے کی
شائستگی اور اظہارِ خیال کی برجستگی جب پر اثر لفظوں کا جامہ پہن
کر ڈاکٹر حفیظ کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے تو وہ نہایت سلیقے سے دامان
شعر و ادب کو مہکاتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی آواز میں کشش ہے
مخاطب کو ان کا اندازِ گفتگو بے حد پسند آتا ہے جب تک وہ محوِ گفتگو
رہتے ہیں سنتے رہنے کو جی چاہتا ہے ڈاکٹر حفیظ اپنے برگزیدہ پیشہ طب

سے فرصت ملنے پر بھی کچھ زیادہ وقت، اُردو ادبیات کی آبیاری کے لیے
بھی دیتے رہیں تو زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کی
مسیحائی سے یقیناً بہت سے پریشان حال مریضوں کے علاوہ اُن مریضوں
کے لواحقین بھی تعاون حاصل کرتے ہوں گے جہاں تک میری معلومات ہیں
خاص طور پر شہر کے بعض شعرا اور ادیب اُن کی خدمات سے استفادہ
کرتے رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب سے مجھے بھی یہ فائدہ ہوا کہ میں نہ صرف اپنے
اہلِ خاندان کے لیے بلکہ اپنے بعض دوستوں کی مسیحائی کے لیے بھی اُن کی خدمات
سے بھرپور استفادہ کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کی سفارش
کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اُن کی سفارش کی پذیرائی کچھ اس انداز سے
کرتے ہیں کہ ان کی انسانی ہمدردی اور شرافت کے گن گانے کو جی چاہتا ہے
ایک بار نہیں کئی بار ...... ڈاکٹر صاحب انتہائی ملنسار، محبت پسند اور
با مروت انسان ہیں۔ ان کا سلوک ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نہیں
ایک اچھے انسان کی طرح سے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہ صحیح
ہے کہ ہمارے شہر اور معاشرہ میں شرفا کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے
لیکن جب ڈاکٹر حفیظ جیسی انسانیت نواز شخصیتوں کے بارے میں خیال
آتا ہے تو لگتا ہے کہ .. اس دنیا میں گہری تاریکیوں کے باوجود روشنی کی کرنیں
اپنے وجود کا بھرپور احساس دلا رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک باشعور ادیب
ہیں اُن کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی، فارسی ادبیات سے بھی
ان کا گہرا تعلق ہے ڈاکٹر صاحب کی زبان نکھری ستھری اور پُر تاثیر ہوتی ہے

ان کا لب ولہجہ چاہیے وہ دوران گفتگو پھول برساتا ہو یا تحریروں میں جلوہ افروز ہوتا ہو ادب عالیہ کی شکل اختیار کیئے ہوئے محسوس ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کی مختلف موضوعات پر موجود تحریریں تا حال کتابی شکل اختیار نہیں کر سکیں۔ پورے مضامین نہ سہی اگر منتخب مضامین کا بھی مجموعہ شائع ہو تو زبان و ادب کی بڑی خدمت ہو گی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ دواخانہ اسری کے تمام ڈاکٹرس اُن کے گرویدہ ہیں ان کا احترام کرتے ہیں جو نیر ڈاکٹرس سے ان کا سلوک مشفقانہ ہے دوستانہ بھی ہے اس لئے کہ ان کی نظر اپنے تمام ساتھی ڈاکٹروں پر یکساں اثر انداز ہوتی ہے اور وہ تمام سے تمام اُن کے حسن سلوک سے متاثر ہیں ڈاکٹر صاحب کی مسیحائی کا ایک اعلیٰ وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مخصوص وارڈ کے مریضوں کے علاوہ دیگر وارڈس کے مریضوں کے علاج معالجہ میں دلچسپی لیتے ہیں اور اُن کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں مریضوں سے بہترین حسن سلوک اور ہمدردانہ طریقہ تشخیص و علاج نے انہیں بے حد مقبول بنا دیا ہے۔ خدا کا کرم ہی تو ہے کہ اس نے ڈاکٹر صاحب کو دوہری صلاحیتوں سے سرفراز کیا۔ ایک صلاحیت ڈاکٹر کی حیثیت سے تو دوسری ادیب کی حیثیت سے۔ ڈاکٹر حفیظ ۲۵ اکٹوبر ۱۹۴۳ء کو بہ مقام حمایت نگر ضلع ناندیڑ میں پیدا ہوئے۔ مراہٹی ذریعہ تعلیم سے درجہ اول میں میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۹۶۲ء حمایت نگر (ناندیڑ) میں انٹرمیڈیٹ امتحان کامیاب کیا۔ ناندیڑ ۱۹۶۴ء بورڈ میں فرسٹ کلاس فرسٹ (میرٹ)

ایم بی بی ایس (۱۹۶۴ء - ۱۹۶۹ء) یہ درجۂ اول کامیاب کیا۔ ۵ سال سرکاری ملازمت حکومت مہاراشٹرا ہلتھ ڈپارٹمنٹ میں کی۔ ۵ برس تک بیروت میں قیام رہا۔ اعزازی ملازمت جمعیۃ الہلال الاحمر سوسائٹی میں کی۔ اسی دوران ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ بن گئے۔ فلسطینی قائد یاسر عرفات کے دو اخانوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ تعمیر ملت کے میڈیکل مشن کے ساتھ بیروت و لبنان گئے۔ طرابلس لبنان میں ڈپٹی ڈائرکٹر طبابت کی حیثیت شمالی لبنان میں کام کرنے کا موقع ملا۔ دمشق میں ایک سال کام کیا۔ صنعاء شمالی یمن میں ایک سال کام کیا۔ ایران (تہران) میں ۵ برسوں تک ملازمت کی۔ اسرائیلی اور فلسطینی جنگ کے دوران فلسطینیوں کی طبی خدمت بلا معاوضہ انجام دی۔ انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ۱۹۸۱ء میں خصوصی مدعوئین کی حیثیت سے انٹرنیشنل کانفرنس آف اڈکر یسنٹ سوسائٹی کی دعوت پر جناب عبدالرحیم قریشی (تعمیر ملت) کے ساتھ بیروت کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر حفیظ جب ساتویں جماعت کے طالب علم تھے انھوں نے انگریزی میں نظم لکھی۔ اسکول میگزین میں اردو میں مضامین لکھے کالج میگزین کے لیے بھی مضامین لکھے سیاست، رہنمائے دکن، عوام اور مختلف اخبار میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جو ادبی، فلاحی، اصلاحی طبی و سائینسی موضوعات پر مشتمل رہتے ہیں۔ اپنے وطن بھینسہ میں (عادل آباد) میں کلینک چلاتے تھے مختلف ادبی رسائل اخبارات میں مختلف موضوعات پر۔ ۶۰ سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں

علامہ اقبال اور ساحر لدھیانوی کی شاعری سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔

جلیل پاشاہ

(اردو تعلیمی تحریک کے علمبردار رواں دواں شخصیت)

معاشرہ میں بسا اوقات جن با صلاحیت شخصیتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے وہ پوری طاقت کے ساتھ میدان عمل میں ابھرتے ہیں پروردگار عالم جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ کام لاکھ مشکلوں کے باوجود بھی کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ بعض لوگ جن کے بارے میں یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ کچھ ایسے کارنامے انجام دیں گے جو ساری قوم کے لیے مثالی بن جائیں۔ ہمیں معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہونچتے اپنا سفر بلا تکان جاری رکھتے ہیں ان کے راستوں کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کے لوگ صرف کام کرنا جانتے ہیں وسائل کی پرواہ کیئے بغیر میدان عمل میں کود پڑتے ہیں اور جب وہ اپنی سرگرمیوں سے والہانہ وابستہ ہو جاتے

تو خدا ان کی مدد کرتا رہتا ہے۔

جلیل پاشاہ نے اردو تعلیمی میدان میں اس قدر اہم کارنامے انجام دیئے ہیں کہ انہیں اردو کے لیے کام کرنے والے لوگوں میں ہمیشہ عزت و توقیر سے دیکھا جاتا ہے۔ جلیل پاشاہ ایک فعال، کارکرد اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ جب وہ کسی کام کو انجام دینے کے لیے قدم بڑھاتے ہیں تو راستے کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ جلیل پاشاہ گذشتہ ۳۰ برسوں سے اردو زبان اور اردو تعلیمی تحریک کے لیے ایک چلتی پھرتی مشین کی طرح رواں دواں ہیں۔ یہ تعلیمی کمیٹی ۳۰ سال قبل قائم ہوئی وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کے بانی صدر نشین ہیں انوار العلوم کالج کے طالب علم رہے ہیں۔ انہیں اردو زبان سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ جلیل پاشاہ نے انوار العلوم کالج سے گرایجویشن کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں طلباء یونین سے وابستہ ہو گئے۔ تلگو زبان سے وابستگی کے باوجود انہوں نے اردو زبان سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ پرنسپل انوار العلوم کالج جناب خلیل اللہ حسینی صاحب نے انہیں اردو کا تا کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔ جلیل پاشاہ اپنی تقریر دا میں کہتے رہتے ہیں کہ انہوں نے خلیل اللہ حسینی صاحب کو اپنا آئیڈیل بناتے ہوئے عملی میدان میں قدم رکھا ہے جلیل پاشاہ اردو کے مسائل پر کئی احتجاجی جلسوں میں نمایاں کام انجام دے چکے ہیں۔ بھوک ہڑتالوں میں عملاً حصہ لیا۔ اردو کا پرچم ہاتھ میں لیے حکومت کے دروازوں پر

دستک دی۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں۔ اردو تعلیمی مسائل پر جتنے جلسے انہوں نے کیئے ہیں شاید ہی حیدرآباد کی کسی انجمن نے کیئے ہوں۔ اردو زبان کے مختلف مسائل سے متعلق حکومت آندھرا پردیش نے جتنے احکامات جاری کیئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے محرک جلیل پاشاہ ہیں اور جتنے احکامات کا ریکارڈ ان کے ہاں موجود ہے شاید ہی حیدرآباد کی کسی انجمن کے ہاں موجود ہو۔ جلیل پاشاہ میں ایک خاص بات نوٹ کرنے کے قابل یہ بھی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی حکومت سے یا اردو والوں سے اپنی محنت کا صلہ نہیں مانگا۔ جلیل پاشاہ نے کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی جانب سے شہر میں بے شمار جلسوں کا اہتمام کیا۔ کل ہند نوعیت کے تقریباً ۲۴ اردو کانفرنس، سیمینار، سمپوزیم آراستہ کیئے۔ خواتین کے تعلیمی و فلاحی مسائل کے لیے بھی کئی جلسے منعقد کیئے اور اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے جلیل پاشاہ کو ۱۹۹۰ء میں اردو اکیڈیمی کا صدر نشین نامزد کیا تھا۔ جلیل پاشاہ نے اپنے صدارتی دور میں جو نمایاں خدمات انجام دیں انہیں اردو والے کبھی بھلا نہیں سکتے۔ جلیل پاشاہ نے جب اردو اکیڈیمی کے صدر نشین کی حیثیت سے جائزہ لیا تو انہوں نے سب سے پہلے اکیڈیمی کے ظاہری حسن کی برقراری کے لیے دلچسپی لی۔ اکیڈیمی کے لیے کوئی موٹر نہیں تھی انہوں نے اکیڈیمی کے لیے موٹر خریدی۔ بہترین فرنیچر کا انتظام کیا۔ اسٹاف کے لیے ہر ممکنہ سہولتیں مہیا کیں۔

جلیل پاشاہ تقریباً ۱۸ ماہ تک صدر نشین رہے۔ ہر مستحق شاعر و ادیب کی کتابوں کے مسودوں کو گرانٹ دی۔

میں اردو تعلیمی کمیٹی سے زائد از ۲۵ برس سے وابستہ ہوں۔ جلیل پاشاہ سے میرے گہرے مراسم ہیں۔ جب میں سکریٹری تھا ان دنوں جلیل پاشاہ سے اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے ان کے روابط تھے (آج بھی ہیں) اکثر معاملات میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں دوسرے محبان اردو کی طرح۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ذاتی فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں نہایت حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ میں یہ بھی کہنے کے موقف میں ہوں کہ جلیل پاشاہ نے کئی اہم شخصیتوں کو اپنے جلسوں میں مدعو کیا ہے۔ آئے دن تعلیمی کمیٹی کی جانب سے مختلف موضوعات پر جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان کے تقریباً تمام جلسوں میں مدعو رہتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد قومی اردو یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں جلیل پاشاہ نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں اس بات سے کوئی بھی شریف آدمی انکار نہیں کرسکتا کہ جلیل پاشاہ نے اردو یونیورسٹی کے قیام کے لیے جتنی کوششیں کیں اتنی کوشش کسی اور نے نہیں کی۔ ویسے یونیورسٹی کے قیام کے دعویدار بہت سے ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اہم رول ادا کیا۔ جلیل پاشاہ قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی کے رکن مقرر کیے گئے ہیں۔ کانگریس

پارٹی سے برسوں اُن کا تعلق رہا۔ حکومت کے سربراہوں سے ہمیشہ ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ خاص طور پر محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے بہت زیادہ قریب رہے محکمہ تعلیمات کے عہدہ داروں سے اُردو اور اُردو تعلیمی مسائل کے سلسلے میں کامیاب نمائندگی کل ہند کمیٹی کی جانب سے مشاعروں کا بھی انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے جس کے معتمدین صلاح الدین نیر اور رئیس اختر رہا کرتے۔

جلیل پاشاہ کل ہند اُردو تعلیمی کمیٹی کی سالانہ تقاریب شاندار پیمانے پر منعقد کرتے ہیں انتہائی مخلص دوستی کے قابل انسان ہیں۔ اُردو کاز کے لیے انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کردی ہے۔ جلیل پاشاہ نے اندرا پریہ درشنی گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طالبات کے لیے کامیاب کوشش کی۔ انہوں نے اپنی ذاتی کوشش سے کالج بلڈنگ کے لیے سابق ایم پی جناب ایم۔ ایم ہاشم سے ایک کروڑ ۲ لاکھ روپے ایم پی فنڈ سے حاصل کیے۔ ان ہی کی کوششوں سے حیدرآباد میں ترقی اردو بیورو وزارت فروغ انسانی وسائل حکومت ہند کی جنوبی ہند کی شاخ کا قیام ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا۔ گورنمنٹ گرلز جونیر کالج نامپلی میں ۱۸ سال سے مرکز خوشنویسی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ جلیل پاشاہ کے کچھ مخصوص دوست ہیں جو ان کے جلسوں میں لازماً دکھائی دیتے ہیں۔ اُن میں، میں اور رئیس اختر بھی شامل ہیں۔ جس زمانے میں وہ

اُردو اکیڈیمی کے صدرنشین تھے اُن دنوں اُردو اکیڈیمی کا بجٹ بہت کم تھا جلیل پاشاہ نے اپنی مستحکم کوششوں سے سالانہ ۴۰ لاکھ گرانٹ منظور کروائی۔ جلیل پاشاہ کی صدرنشینی کے زمانے میں اکیڈیمی کے سکریٹری مسعود دین سالم تھے جنہوں نے جلیل پاشاہ کا بہت زیادہ ساتھ دیا اور اپنے مفید مشوروں سے اکیڈیمی کی کامیاب سرگرمیوں کو بڑھایا۔ جلیل پاشاہ بلا جھجک، جرأت کے ساتھ اُردو کے مسائل حکومت کے سربراہوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ چاہے وہ کانگریس حکومت ہو کہ تلگودیشم حکومت، جلیل پاشاہ سے تعاون حاصل کرتی رہی۔

جلیل پاشاہ میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اس کو پایۂ تکمیل کو پہونچانے تک دم نہیں لیتے جلیل پاشاہ کا ہر اس جگہ نام لیا جاتا ہے جہاں اُردو سے متعلق مسائل کا ذکر چھیڑا جاتا ہے۔ زائد از ۳۰ برس سے اُردو تعلیمی تحریک کے مشعل بردار رہے ہیں اور اُن کے پیچھے محبانِ اُردو کا قافلہ رواں دواں ہے۔

افضل حسین

مثالی دوست، شریف النفس انسان

وہ لوگ جو ادبی ملاقاتوں کی یادگار ہوتے ہیں برسوں گزرنے کے باوجود بھی بھلائے نہیں جا سکتے اور پھر وہ لوگ جو اپنی محنت، شرافت اور اپنی بے ساختہ وابستگی کا مظہر ہوا کرتے ہیں ان کو بھولنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایسے ہی لوگ زندگی کے آخری لمحوں تک رفیق دل کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں افضل حسین بھی میرے ایک ایسے ہی دوست ہیں جو مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ نہایت ایماندار، مخلص، محبت شناس، دوستی کے قابل انسان ہیں نہایت اعلیٰ ظرف، باکردار، اصول پسند اور بے غرض مراسم کے آئینہ دار افضل حسین سے گرچہ برسوں ملاقات نہیں ہوتی لیکن میں انہیں ہر وقت اپنے قریب پاتا ہوں افضل حسین سکریٹریٹ سے اسسٹنٹ سکریٹری کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات محکمہ ڈائرکٹر کمیونٹی پراجکٹ میں ہوئی تھی جہاں ان کا تقرر بہ حیثیت ٹائپسٹ ہوا تھا افضل حسین کے تقرر سے کچھ عرصہ پہلے

اسی محکمہ میں بہ حیثیت کلرک میرا تقرر ہوا تھا میجر گرودسوامی ڈائرکٹر تھے۔ افضل حسین کے علاوہ خواجہ بہاء الدین، خواجہ معین الدین، علیم الدین، پیر بھا کرراؤ کنٹھیا کرن، علی نواز خان اور سینیئر اسٹاف میں محمد غوری، محمد افضل، عبدالرحیم اور لہ شانتی کمار وغیرہ تھے تلنگانہ کے کافی لوگ اُس محکمہ میں ملازم تھے ہمارا ایک اچھا خاصہ حلقہ بن گیا تھا لیکن بہت جلد ہمارا محکمہ سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا جب ۱۹۵۶ء میں لسانی بنیاد پر ریاست کی تشکیل جدید عمل میں آئی تو ہمارا محکمہ بھی بعض محکموں کی طرح سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا ہم تمام سکریٹریٹ کے پلاننگ محکمہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس محکمہ میں کچھ ملازمین پہلے ہی سے برسرِ کار تھے لیکن تنظیم جدید کے وقت علاقہ آندھرا اور علاقہ تلنگانہ کے ملازمین ایک ساتھ ہو گئے۔ آندھرا اور تلنگانہ کے ملازمین کی سینیارٹی کی فہرست مشترکہ ترتیب دی گئی۔ پلاننگ ڈپارٹمنٹ میں میری تعیناتی ضبطہ انتظامی (O.P. I) میں ہوئی اور افضل حسین کی اکاونٹس سکشن میں ہوئی آندھرا اور تلنگانہ ملازمین کے ملاپ نے ایک نئی صورتِ حال کو جنم دیا۔ اور ملازمین آندھرا حیدرآباد کے ماحول میں ڈھلنے لگے۔ بعض ملازمین آندھرا اُردو میں بات کرتے تھے تدریج تمام ملازمین آندھرا اُردو میں بات کرنے کے قابل ہو گئے۔ برخلاف اس کے ملازمین تلنگانہ تلگو میں بات کرنے میں تکلف محسوس کرتے تھے بعض ملازمین تلنگانہ تلگو سے قطعی نابلد تھے وہ اپنے آندھرائی ملازمین سے انگریزی میں بات کرتے تھے بعض آندھرائی ملازمین کرنول، کڑپہ، اننت پور جیسے اضلاع سے تعلق رکھتے تھے جہاں اُردو زبان بولی جاتی تھی وہ بہ آسانی اُردو میں بات کرتے تھے کچھ

ہم برسوں کے بعد لسانی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ تلنگانہ ملازمین کے مقابلے میں آندھرائی ملازمین کی تعداد میں اضافہ ہو کر ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تقریباً تمام بڑے عہدوں پر ملازمین آندھرا فائز تھے یہاں تک کہ سکشن آفیسروں میں بھی ان کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ آندھرائی ملازمین کو اپنی برتری کا احساس تھا وہ تلنگانہ ملازمین کو دوسرے درجہ کے شہری سمجھتے تھے لیکن اس صورتحال کا مقابلہ کرنے والے کچھ ملازمین تلنگانہ موجود تھے جب تلنگانہ کے ساتھ ناانصافی کی جانے لگی۔ ان کی سینیاریٹی متاثر کی جانے لگی تو تلنگانہ ملازمین کی ایک اسوسی ایشن متحرک ہوگئی۔ اور ہر ناانصافی کے خلاف حکومت کے دروازوں پر دستک دی جاتی رہی۔ تلنگانہ ملازمین اپنی سینیاریٹی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی پاتے تھے مجھے سکشن آفیسر (گزیٹیڈ) ترقی ملی میں ۱۲ برس اس عہدہ پر رہا۔ افضل حسین بھی سکشن آفیسر بن گئے میرے ڈپارٹمنٹ کے جو افضل حسین اسسٹنٹ سکریٹری بن گئے اور ہوم ڈپارٹمنٹ میں ایک اہم پوسٹ پر کام کرتے رہے ہماری دوستی اتنی ہی مستحکم رہی ہوا یہ کہ ڈپارٹمنٹ میں میرے علاوہ پربھاکر راؤ، کشٹایا، نرسمہا ریڈی اور عبدالرحمن الہ آباد تھے یہ بہت اچھے دوست تھے ہم تلنگانہ کے ماحول اور اردو زبان وحیدرآبادی تہذیب کو پروان چڑھانے پر یقین رکھتے ہیں جب ہم لوگ ۱۹۵۶ء میں سکریٹریٹ میں داخل ہوئے اس وقت غالباً ہم ۷ تلنگانہ کے ملازمین موجود تھے تلنگانہ کے اتنے زیادہ ملازمین ہونے کے باوجود کوئی اردو اسوسی ایشن نہیں تھی۔ میں نے اپنے دوستوں خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل حسین، علی نواز خان، کشٹا ریڈی

پیدا کیا۔ محکمہ تعلیمات کے ساتھی عباس ہاشمی کی مشاورت سے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن قائم کی اور جب تک ہم سکریٹریٹ میں رہے عظیم الشان پیمانے پر سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ادبی تقاریب و مشاعرے منعقد کرتے رہے۔ اب بھی سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا وجود باقی ہے لیکن اس کی سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی ہیں میں ریٹائرمنٹ کے باوجود اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتا رہا۔ کئی پروگرامس میں تعاون کرتا رہا شکیل احمد اسوسی ایشن کے سکریٹری تھے انہوں نے میرے مشورہ سے بعض اچھے پروگرامس کیے لیکن دو سال پہلے وہ کینیڈا چلے گئے اب سکریٹریٹ میں کوئی ایک شخص بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کو جاری رکھے۔ افضل حسین ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہیں ممتاز کاظمی ان کا قلمی نام ہے انہوں نے اسوسی ایشن کے آل انڈیا پروگرام میں کئی بار اپنے افسانے سنائے۔ انہیں اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے آفس کے کام میں ماہر تھے ساری ملازمت انہوں نے نیک نامی کے ساتھ گزاری۔ انتہائی فرض شناس ذمہ دار شخص تھے ریٹائرمنٹ کے بعد کئی برس تک ایک اسکول چلاتے رہے۔ سکریٹریٹ میں خواجہ بہاءالدین، علیم الدین کی طرح افضل حسین بھی میرے انتہائی قریب ترین دوست رہے۔ افضل حسین نہایت خوددار، باحوصلہ، باکردار انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے افسروں کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ان کی تمام مدت ملازمت آئینہ کی طرح پاک و صاف رہی۔ نہایت دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو

نبھاتے رہے۔ افضل حسین سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ہر تقریب میں صائب دیتے رہے۔ میرے بہت اچھے دوست ہیں اُن سے مجھے قلبی لگاؤ ہے جتنی اچھی اُن کی اُردو ہے اُتنی ہی اچھی ان کی انگریزی بھی ہے خاص طور پر ہوم ڈپارٹمنٹ میں بہ حیثیت اسسٹنٹ سکریٹری نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی ملازمت کا زیادہ مدت پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں گزری۔ محکمہ کے افسروں سے ان کے اچھے مراسم تھے وہ ان کے بہترین کام کی ستائش کرتے تھے خود افضل حسین نے بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ سکریٹریٹ میں ہم دونوں شیر و شکر کی طرح رہے میرے ریٹائرمنٹ کے ۲، ۳ سال بعد افضل حسین بھی ریٹائر ہوئے۔ اگر میں اپنے دوستی اپنی رفاقتوں کی تفصیل لکھنا چاہوں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ افضل حسین کبھی بھی آفس کی ذمہ داریوں میں تساہلی سے کام نہیں لیا۔ وہ کبھی کوئی کام پینڈنگ میں نہیں رکھتے تھے آفیسرس کی میٹنگ میں ہمیشہ پوری تیاری کے ساتھ جاتے تھے ہر سوال کا جواب اُن کے پاس رہتا تھا۔ جس محکمہ میں بھی رہے اپنی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیتے رہے۔ ابتدائی ملازمت سے لے کر اسسٹنٹ سکریٹری کی ذمہ داری تک کسی بھی سلسلے میں رشوت نہیں لی حالانکہ ہر محکمہ میں رشوت کا بازار گرم رہا کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا برادرانہ سلوک رہا بلا تخصیص مذہب و ملت و علاقہ سب کے ساتھ ان کا عمل رہا ہے یقیناً وہ اپنے آپ پر فخر کر سکتے ہیں کہ ساری سروس میں ان کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ افضل حسین حیدرآباد ہی میں ہیں لیکن ان سے ہر روز ملاقات نہیں ہوتی۔ اب تو وہ کچھ زیادہ ہی صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو گئے ہیں مذہبی معاملات میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اندو وششٹ

(ہندی اردو کی نامور شاعرہ۔ ممتاز عثمانین)

ہمارا شہر محبت حیدرآباد فرخندہ بنیاد جہاں گنگا جمنی تہذیب آپسی بھائی چارگی اور تہذیبی و ثقافتی روایات کے لیے شہرت رکھتا ہے وہیں لسانی ہم آہنگی کے لیے بھی مشہور ہے بالخصوص اردو، ہندی کی بعض انجمنیں ایک اچھی مثال ہیں۔ اردو، ہندی کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں دونوں زبانوں کے اہل قلم اور صاحبانِ ذوق شریک رہتے ہیں۔

ایک زمانے میں انجمن ترقی اردو کے ہر بڑے جلسے میں ہندی کی بڑی انجمنوں ہندی پرچار سبھا وغیرہ کے سربراہوں کے علاوہ ہندی کے شاعر و ادیب لازماً شرکت کرتے تھے بلکہ سندھی، مرہٹی، تلگو زبانوں کے دانشور بھی شریک رہتے تھے جامعہ عثمانیہ میں ان تمام زبانوں کی اعلیٰ تعلیم ہوا کرتی ہے نہ صرف آج بلکہ قیام جامعہ عثمانیہ کے زمانے سے ہی اس طرح کا ماحول رہا ہے ہمارے شہر میں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، خورشید احمد جامی میموریل اکیڈیمی اور سوغاتِ نظر ادارہ

ہندی کی انجمنیں گیت چاندنی اور ہندی بیٹھک سنگھ کے جلسوں اور مشاعروں میں اُردو ہندی کے شاعر وادیب شرکت کرتے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو، ادارہ ادبیات اُردو اور ہندی پرچار سبھا کی محفلوں میں بھی دونوں زبانوں کے شاعر وادیب شریک رہا کرتے ہیں ہندی اور اُردو کی کچھ اور انجمنوں نے بھی اس روایت کو باقی رکھا ہے اس طرح کی لسانی ہم آہنگی کا ماحول جامعات اور کالجوں میں بھی پایا جاتا ہے غرض یہ کہ ہمارا شہر اپنی اعلیٰ ادبی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اعلیٰ اقدار کی ترجمانی کیا کرتا ہے اس طرح کے ملے جلے ماحول کی پروردہ ہندی کی نامور شاعرہ ڈاکٹر اندو وشسٹ بھی ہیں جنہیں عثمانین ہونے پر فخر حاصل ہے اگرچہ ان کی پیدائش لکھنو میں ہوئی لیکن حیدرآباد میں سکونت کے بعد یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ ڈاکٹر اندو وشسٹ حیدرآباد کی ہندی شاعرات میں سرفہرست ہیں اور اُن کا یہ خصوصی موقف گذشتہ ۲۵ برسوں سے برقرار ہے ڈاکٹر اندو وشسٹ نے جامعہ عثمانیہ سے ہندی میں ایم اے کیا۔ اور یہیں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ کئی برسوں تک ہندی مہا ودیالیہ (ہندی کالج) میں لکچرار رہیں پھر جامعہ عثمانیہ میں ہندی کی لکچرر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ جہاں ترقی کرتے ہوئے ریڈر رہیں، پروفیسر ہوئیں اور صدر شعبہ ہندی کی حیثیت سے بھی کار گذار رہیں۔ جامعہ عثمانیہ سے ہی وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئیں مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے ہندی آرٹس کالج کے ایک مشاعرہ میں انہیں دیکھا اور سنا تھا یہ میری پہلی ملاقات اور شناسائی اُردو ہندی کے ممتاز ادیب

بھشو درراؤ ہندی آرٹس کالج کے پرنسپل تھے ڈاکٹر اندو وشنسٹ اس کالج میں ہندی کی لکچرر تھیں کیشو درراؤ صاحب کی زیر نگرانی ہندی لہادو یالیہ میں مشاعرہ کا انعقاد عمل میں لایا گیا تھا مجھے اردو کے شاعر کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا مشاعرہ میں میں نے ڈاکٹر اندو وشنسٹ کو پرسوز ترنم میں کلام سناتے ہوئے دیکھا اور اس قدر متاثر ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ ان سے ان کا کلام سنتا ہی رہوں ڈاکٹر اندو وشنسٹ کی ہندی شاعری اردو شاعری کے بے حد قریب ہے میں تو انھیں اردو ہندی کی نامور شاعرہ مانتا ہوں اس لیے کہ ان کی شاعری کی زبان خالص ہندوستانی ہوتی ہے نہ تو پوری طرح اردو نہ پوری طرح ہندی۔ ڈاکٹر اندو وشنسٹ اردو کی طالبہ نہیں رہیں لیکن انھوں نے جامعہ عثمانیہ اور حیدرآباد کے اردو ماحول سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ہمارے شہر میں جب ادبی ٹرسٹ اور بعد میں شنکرجی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں کا آغاز ہوا تو میں نے ایک دن جناب محبوب حسین جگر اور عابد علی خان صاحب سے کہا کہ ہمارے شہر میں ہندی کی ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ ہے جنھیں مشاعروں میں مدعو کیا جاسکتا ہے اگر ہندی کے ممتاز شاعر نیہپال سنگھ ورما کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اندو وسسٹ کو بھی مدعو کیا جائے تو لسانی ہم آہنگی کو تقویت پہونچے گی۔ ان کے کلام سے حیدرآباد کے ہزاروں شائقین مشاعرہ استفادہ کرسکیں گے جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب کو میرا مشورہ پسند آیا اور ان کے ارشاد کے مطابق میں نے ڈاکٹر اندو وشنسٹ کو سیاست آفس آنے کے لیے کہا وہ نیہپال سنگھ ورما کے ساتھ آئیں اور پھر جگر صاحب کی خواہش پر اپنا کلام سنایا۔ جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب

نے اُن کے کلام کو بے حد پسند کیا اور سیاست میں اشاعت کے لیے اُن سے کلام میرے توسط سے حاصل کیا اندو وشنسٹ کا کلام ہندی کا رسم الخط کے ساتھ اُردو رسم الخط میں بھی شائع ہوا سیاست اخبار اور ان دوسرے مشاعروں کی وساطت سے ڈاکٹر اندو وسسٹ کی اُردو حلقوں میں پہچان بن گئی۔ ڈاکٹر اندو وشنسٹ کا بہت سارا کلام سیاست اخبار میں چھپتا رہا۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل کے مشاعروں میں اِدھر کچھ عرصہ سے اپنی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے شرکت نہیں کر رہی ہیں سیاست اخبار ان کی شاعرانہ پہچان

کے لیے بہت بڑا معاون رہا۔ پھر ان دوسرے مشاعروں میں شرکت نے بھی ان کی شناخت میں کافی اضافہ کیا۔ ڈاکٹر اندو وشنسٹ سے جب میرے شاعرانہ مراسم بڑھنے لگے تو میں نے انہیں اپنے زیر اہتمام ہر معیاری مشاعروں میں مدعو کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں نے راشٹرپتی نیلائم میں ڈاکٹر شنکر دیال شرما صدر جمہوریہ ہند کی زیر سرپرستی منعقدہ مشاعرہ میں بھی مدعو کیا اور راج بھون کے مشاعروں میں بھی مدعو کرتا رہا جبکہ جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش تھے میں نے ڈاکٹر اندو وشنسٹ کو بعض کل ہند مشاعروں میں بھی اپنی معرفت مدعو کیا جن میں مدراس، جمشید پور، بمبئی، ناندیڑ، گلبرگہ وغیرہ کے مشاعرے قابل ذکر ہیں حیدرآباد میں ادارۂ میر اشہر میرے لوگ اور ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع کے مشاعروں میں ڈاکٹر صاحبہ کی شرکت میرے مشاورت سے ہوتی رہی۔ پھر میں نے ایک دن بانیٔ محفلِ خواتین ممتاز شاعرہ عظمت عبدالقیوم سے ان کا تعارف کروایا اور وہ میرے مشورہ

سے محفلِ خواتین سے وابستہ ہو گئیں۔ محفلِ خواتین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کرتی رہیں محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام منعقدہ غزلوں کی رات تقاریب میں محفلِ موسیقی میں اُن کا کلام ساز پر پیش کیا جاتا رہا۔ محفلِ خواتین کے ادبی میگزین میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحبہ کو اردو ہندی کے بعض خصوصی ادبی تقاریب و مشاعروں میں ایوارڈز دیئے گئے۔ ڈاکٹر اندو وشسٹ حیدرآباد کے تمام اُردو حلقوں میں اپنی مخصوص شناخت رکھتی ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی نائب صدر اور محفلِ خواتین کی نائب صدر رہ چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کا ترنم بے حد متاثر کن ہوتا ہے اپنا کلام ترنم میں سناتی ہیں شاید ہی کبھی انہوں نے تحت میں کلام سنایا ہو۔ ڈاکٹر اندو وشسٹ با وقار معتبر، شائستہ و شگفتہ شاعرہ ہیں ـــــ ہندی کے ادبی حلقوں میں ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے اتنا ہی اُردو حلقوں میں بھی انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے نہپال سنگھ ورما نے ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ پہچان کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر اندو وشسٹ ہندی کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں گیت چاندنی کی صدر ہیں ہندی بیٹھک سنگھ سے بھی ان کی وابستگی ہے سچ تو یہ ہے کہ ادھر زائد از دو دہوں یعنی ۲۰، ۲۵ برس سے نہپال سنگھ ورما نے اُردو ہندی کی ملی جلی تقاریب کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں خاص طور پر گیت چاندنی کا کوئی ایسا مشاعرہ نہیں رہتا جس میں اُردو کے شاعر شرکت نہ کرتے ہوں۔ اس وقت ہی نہیں کئی برسوں سے گیت چاندنی

مشاعروں اور ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں ہندی کی سب زیادہ سرگرم عمل انجمن ہے گیت چاندنی کے زیر اہتمام کئی جیر مقدمی جلسے بھی ہوتے ہیں جس میں ہندی اُردو کے بعض اہم اہل قلم خواتین و حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے اُردو حلقوں میں میرے علاوہ ہاشم حسن سعید سے ڈاکٹر صاحب کے اچھے مراسم ہیں جس زمانے میں ہاشم حسن سعید جامعہ عثمانیہ سے اُردو میں ایم اے کر رہے تھے اسی زمانے میں ڈاکٹر اندو وششٹ ہندی میں ایم اے کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر اندو وششٹ کی زیر نگرانی کئی طالب علموں نے ایم فل کی تکمیل کی اور پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ڈاکٹر صاحبہ جامعہ عثمانیہ کی قابل اساتذہ میں شمار کی جاتی ہیں۔ ہندی مہاودیالیہ میں بھی ایک کامیاب اور مقبول استانی رہیں۔ ان کا کلام ملک بھر کے معیاری ہندی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوتا رہتا ہے ڈاکٹر صاحبہ کا کلام آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے دونوں شعبوں (ہندی۔ اُردو) کے زیر اہتمام۔ نشر ہوتا رہتا ہے دُور درشن سے بھی ہندی۔ اُردو کے مشاعروں میں کلام سنا چکی ہیں اُردو ادبی انجمنوں کے علاوہ ہندی کی ادبی انجمنوں اور اداروں کی جانب سے ڈاکٹر صاحبہ کو ایوارڈز مل چکے ہیں۔ کئی کتابوں کی مصنف اور مولف ہیں۔ حال ہی میں گیت چاندنی اور محبان ہند کی جانب سے شایان شان پیمانے پر ڈاکٹر اندو وششٹ کی خدمات کے اعتراف میں ادبی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ہندی اُردو کے قلم کاروں نے ان کی شخصیت اور فن پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اُردو کے قلم کاروں میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔

انجم قمر سوز

(ممتاز شاعرہ "پہلی غزلوں کی رات" کی کنوینر)

کچھ نام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی معنویت کی وجہ سے سُننے والوں کو تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انجم قمر سوز بھی ایک ایسا ہی نام ہے اس نام کے پیچھے ایک ایسی شخصیت کا وجود جلوہ فرما ہے جو اپنی ہمہ جہتی خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف اپنے خاندان بلکہ رشتہ داروں اور دوستوں میں بھی پسند کی جاتی ہیں جب میں نے پہلی دفعہ یہ نام سُنا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ شاید اس نام کے پیچھے کوئی غیر معمولی شخصیت ہو گی۔ انجم آپا مجھ سے عمر میں چھوٹی ہیں لیکن پتہ نہیں کیوں میں نے انجم قمر سوز کے بجائے انجم آپا کہنے کو ترجیح دی (شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ میں اُن کا احترام بھی کرتا ہوں) کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے پہلی ہی ملاقات کے بعد ہی کسی نہ کسی رشتہ سے منسوب ہونے کو خود بہ خود جی چاہتا ہے۔ ایک مشاعرہ میں میں نے انجم قمر سوز کو پردے کے پیچھے سے پُر سوز ترنم میں کلام سناتے ہوئے سُنا۔ اس نئی شاعرہ کا کلام اور ترنم مجھے پسند آیا۔ کچھ دن گزر گئے پھر یوں ہوا کہ ایک دن میرے ایک شاعر

دوست زاہد کمال کے بڑے بھائی مرزا صاحب نے جو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد
میں کسی شعبہ کے منتظم تھے مجھ سے اپنے گھر کی مخصوص محفلِ شعر میں شرکت
کرنے کی خواہش کی۔ اُن کا گھر ڈاکٹر قمر الدین کے مکان کے روبرو تھا۔ اُس محفل
میں بھی انجم قمر سوز نے چلمن کے پیچھے سے کلام سنایا تھا۔ اُن دنوں عزیز قریشی
پروگرام اگزیکیٹو آل انڈیا ریڈیو خاتون شعراء کا ایک مشاعرہ کرنا چاہتے
تھے وہ جانتے تھے کہ میں نہ صرف رسالہ خاتون دکن سے وابستہ ہوں بلکہ روزنامہ
سیاست کے شعبۂ شعر و سخن سے بھی تعلق رکھتا ہوں اس لئے انہیں یقین
تھا کہ میں شاعرات کو آل انڈیا ریڈیو کے مشاعرہ میں مدعو کرنے کے سلسلے میں
اُن سے بھرپور تعاون کروں گا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ
میں شاعرات کو مدعو کرنے کے سلسلے میں اُن سے تعاون کروں۔ میں نے یہ
ذمہ داری قبول کی۔ اُس مشاعرہ کے لیے تقریباً ۱۵ شاعرات کو مدعو کیا گیا
تھا۔ میں نے نئی شاعرات میں انجم قمر سوز کا نام بھی تجویز کیا۔ یہ شاندار
یادگار مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو کے احاطہ میں مدعو سامعین کی موجودگی میں ہوا تھا
مشاعرے کی اس محفل میں شہر کے ممتاز شاعروں، ادیبوں، دانشوروں
اور باذوق خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی گرما کا موسم تھا
فضا میں خوشگوار ماحول کی بھینی بھینی خوشبو پھیل گئی تھی سارا ماحول معطر
تھا۔ مشاعرہ سننے والے اس قدر شائستہ تھے کہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے
سب ایک ہی خاندان کے لوگ ہیں آدابِ محفل، اندازِ گفتگو، ملاقات
کے طور طریق، سارے ماحول میں شگفتگی کا احساس دلا رہے تھے۔ میں اپنے شاعر

دوستوں کے ساتھ پہلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواتین کی نشستوں کے لیے
مشاعرہ گاہ میں دائیں جانب انتظام تھا مشاعرہ کے آغاز سے قبل کسی نے
مجھ سے کہا کہ شعبۂ خواتین سے کوئی محترمہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میں ان
صاحب کے ہمراہ چلا گیا جیسے ہی میں خواتین کے سکشن کے قریب پہونچا تو
ایک اجنبی مگر جانی پہچانی آواز نے مجھے مخاطب کیا اور اپنا تعارف کراتے
ہوئے کہا کہ میں انجم قمر سوز ہوں ویسے بھی میں نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا
تھا کہ یہ انجم قمر سوز ہی ہیں۔ بعد میں نے انجم قمر سوز کو اس مشاعرہ میں پہلی
دفعہ دیکھا تھا اس مختصر تعارف کے بعد میں اپنی صف میں چلا گیا۔ کچھ دیر
بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ انجم قمر سوز نے پُر سوز ترنم میں ایک خوبصورت غزل
سنائی۔ سامعین نے داد و تحسین سے نوازا۔ انجم قمر سوز کا یہ پہلا مشاعرہ تھا
جس میں انہوں نے پردہ سے باہر آکر کلام سنایا تھا مشرقی تہذیب سے آراستہ
اس مشاعرہ نے اپنے پُر سوز کلام سے ساری محفل کو متاثر کیا تھا اس مشاعرہ کے
بعد سے انجم قمر سوز سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ محفلِ خواتین کی پہلی غزلوں
کی رات کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے صدر محفلِ خواتین عظمت عبدالقیوم
سے انجم قمر سوز کا تعارف کروایا۔ انجم قمر سوز محفلِ خواتین کی رکن بن گئیں عظمت
آپا نے میرے مشورہ سے انھیں غزلوں کی رات کا کنوینر نامزد کیا۔ غزلوں کی
رات کے پروگرام کے سلسلے میں مجھے انجم قمر سوز سے بار بار ملنے کا اتفاق ہوتا
رہا۔ اس کامیاب محفلِ موسیقی کے بعد بھی انجم قمر سوز سے ملاقاتیں ہوتی رہیں
کبھی مشاعروں کے سلسلہ میں تو کبھی مجموعۂ کلام کی اشاعت کے بارے میں۔

ملاقاتیں جب زیادہ بڑھنے لگیں تو ہم دونوں تکلفات کے دائرہ سے باہر نکل کر بھائی بہن کے پاکیزہ رشتہ سے منسلک ہو گئے۔ یہ رشتہ اب بھی اسی تازگی شگفتگی اور جذباتی ہم آہنگی کے ساتھ برقرار ہے۔ انجم آپا ایک پارہ صفت شخصیت کی مالک ہیں۔ میں اکثر اُن سے خفا رہا کرتا تھا پھر خود ہی اپنے طور پر اُن کے گھر جاتا۔ انجم آپا نے ہمیشہ خلوصِ دل سے میرا استقبال کیا۔ انجم آپا کے مزاج میں پہلی ملاقات کے وقت جو شگفتگی تھی آج بھی برقرار ہے آج بھی سرسبز و شاداب پھولوں کی طرح اپنے اہلِ خاندان، رشتہ داروں اور دوستوں میں اپنے خلوص کی خوشبو بانٹتی رہتی ہیں۔ انجم قمر سوز کی شائستہ طبیعت، شرافت نفس، مزاج کی نرمی اور روابط کی پاسداری نے مجھے ہمیشہ ہی متاثر کیا۔ میں اُن کے رکھ رکھاؤ، اندازِ گفتگو اور لب و لہجے کے نتیجے میں کے علاوہ اُن کی شعری، ادبی و تہذیبی صلاحیتوں اور سلجھے ہوئے اندازِ فکر کا قائل ہوں۔ انجم قمر سوز ایک خوشحال گھرانے کی چشم و چراغ ہیں جن کا سارا گھرانہ شعر و نغمہ کے ماحول سے سرشار رہا کرتا ہے۔ انجم قمر سوز کا مجموعۂ کلام سوزِ قمر ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(ماخوذ سلسلہ پھولوں کا ۱۹۹۳ء)

فاطمہ نسرین

(گلِ تازہ کی طرح مہکنے والی شخصیت و شاعرہ)

ہر شخص کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے انسانی رشتوں سے بھی تعلق رہتا ہے جن کو کوئی خاص نام نہیں دیا جا سکتا۔ بظاہر بعض رشتے اس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں کہ جن کی شناخت سے بھی رشتوں کا وقار متاثر ہوتا ہے ایسے ہی ایک رشتہ سے مجھے بھی سابقہ پڑا تھا۔ اس رشتہ کو کوئی ایک اچھا سا نام دینے کے لیے مجھے بہت دن لگے اور اس رشتہ کی پاکیزہ شکل فاطمہ نسرین ہے گلِ تازہ کی طرح مہکنے والی شخصیت نے مجھے کچھ اس طرح متاثر کیا تھا کہ میں نے اس ایک رشتہ میں تمام انسانی رشتوں کو تسبیح میں پروئے ہوئے دانوں کی طرح پایا ـــــ فاطمہ نسرین سے میری پہلی ملاقات ویمنس کالج سلطان بازار کوٹھی کے اسٹاف روم میں اس وقت ہوئی جب میں صدر بزم اردو ویمنس کالج سے ملنے کے لیے گیا تھا میرے ہمراہ نظام کالج کے طالب علم صادق نقوی (ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ) بھی تھے چونکہ میں پہلی دفعہ ویمنس کالج جا رہا تھا اس لیے صادق نقوی میرے ساتھ تھے وہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت سے واقف تھے

مجھے معلوم تھا کہ بزم اُردو کی مشیر، اُردو کی لیکچرار ڈاکٹر ثمینہ شوکت ہی ہیں اُن دنوں اُردو کالج میں بی او ایل کا طالب علم تھا اور بزم اُردو ادب کا صدر بھی۔ بین کلیاتی بیت بازی کے مقابلے میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے میں گیا تھا اُردو کالج میں اُن دنوں بین کلیاتی بیت بازی کے مقابلے منعقد ہونے والے تھے جب میں نے ثمینہ شوکت صاحبہ سے خواہش کی کہ میں صدر بزم اُردو ویمنس کالج سے ملنا چاہتا ہوں تو انہوں نے فاطمہ نسرین کو بلا بھیجا اور مجھ سے تعارف کروانے ہوئے کہا کہ یہ فاطمہ نسرین ہیں۔ یہی صدر بزم اُردو ہیں مختصر تعارف کے بعد ویمنس کالج کی ٹیم کی تفصیل حاصل کرنے کے بعد جب میں لوٹ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا کہ اس لڑکی سے میرا کسی نہ کسی قسم کا رشتہ ہے۔ فاطمہ نسرین اپنی ٹیم کے ساتھ اُردو کالج آئیں۔ دوسری ملاقات کچھ دنوں بعد یوم محمد قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں ہوئی جہاں بیت بازی کا فائنل مقابلہ منعقد ہونے والا تھا مجھے پھر ویمنس کالج جانا پڑا۔ فاطمہ نسرین سے ملاقات ہوئی کچھ دن گذرنے کے بعد فاطمہ نسرین نے میرے نام اپنے کالج کی سالانہ تقریب کا دعوت نامہ بھجوا دیا۔ میں اُس وقت ویمنس کالج پہونچا جب فنکشن ختم ہو چکا تھا مختلف کالجس کے طلباء و طالبات اور اساتذہ واپس ہو رہے تھے۔ سب سے آخر میں جانے والی اُستانی ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ تھیں۔
فاطمہ نسرین دربار ہال کی بائیں جانب کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی ہوئی تھیں جیسے ہی میں پہونچا اُن کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی اور مجھے اپنے ہمراہ ریفریشمنٹ روم میں لے گئیں۔ وہاں ہم نے چائے پی۔ کالج کی وداعی تقریب

کے یوں فاطمہ سے میری یہ آخری ملاقات تھی فاطمہ نے بی اے کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ میں ایم اے جغرافیہ میں داخلہ لے لیا۔ تقریباً ایک سال تک فاطمہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دن ہاشم حسن سعید کے ذریعہ ایک خط ملا۔ ہاشم نے وہ خط مجھے اُردو کانفرنس کے ایک فنکشن کے دوران دیا تھا فاطمہ نے گھر آنے کے لئے لکھا تھا کہ میں آمنہ کی چھوٹی بہن فرخ کے لیے بی اے اُردو کے نوٹس تیار کروں۔ فرخ کے لیے میں نے رات دیر تک جاگ جاگ کر نوٹس تیار کیے۔ فرخ اچھے نمبرات کے ساتھ پاس ہو گئی اس کے بعد مجھے کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں فاطمہ سے ملنے کے لیے جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میں نے اپنے مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" کی اشاعت کے موقع پر فاطمہ سے کتاب کے نام کے بارے میں مشورہ لیا تو کہا "گلِ تازہ" رکھ دیجئے۔ اچھا نام ہے مہکتا ہوا سا۔ اور میں نے گلِ تازہ نام رکھ دیا۔ فاطمہ نسرین نے اپنی تمام غزلوں پر مجھ سے اصلاح لی ہے اور میں نے اس کی بہت سی غزلیں ماہنامہ خاتونِ دکن میں شائع کی ہیں۔ فاطمہ اس قدر نفیس، سیدھی سادی، پُر وقار شخصیت کی مالک ہے کہ اُس نے کبھی اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی شخصیت کو مجروح ہونے نہیں دیا۔ اُس نے ہمیشہ مشرقی آداب اور مشرقی تہذیب کی پاسداری کی ہے نہایت مہذب، شائستہ اور پُر وقار لہجے میں گفتگو کیا کرتی ہے یا نو طاہرہ سعید نے فاطمہ کو جب غزلوں کی رات کے موقع پر دیکھا تو مجھ سے کہا تھا کہ اس لڑکی میں تو مُغلیہ حُسن ہے۔ فاطمہ گذشتہ ۱۷، ۱۸ سال سے امریکہ میں ہے، دو تین سال میں ایک دفعہ حیدرآباد آتی ہے اور اپنی والدہ کے پاس ٹھہرتی ہے اور جب تک حیدرآباد میں رہتی ہے میں اُس سے ملتا رہتا ہوں۔ دو سال پہلے جب

حیدرآباد آئی تھی تو اُن دنوں میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی شادی ہوئی۔ فاطمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ شرکت کی تھی اور عارف کو اس کی دلہن کو ڈھیر ساری دعائیں دے کر واپس ہوئی۔ فاطمہ جب بھی حیدرآباد آتی ہے تو میرے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتی ہے۔ فاطمہ ہنستے ہوئے آتی ہے اور روتی ہوئی جاتی ہے میری زندگی کے بہت سے روشن لمحے فاطمہ کو روشن اور تابناک دیکھنے میں گذرتے رہے ہیں اُس کی شادی کے موقع پر میں نے صرف ایک نظم تحفہ دی تھی شادی کے کچھ دن بعد جب میں اپنی اہلیہ کے ساتھ فاطمہ سے ملنے کے لیے اُس کے سسرال گیا تو اُس نے اپنے کمرہ میں ہم دونوں کو بلوایا اور مجھے وہ فریم کی ہوئی تہنیتی نظم دکھلائی جو اس کے سرہانے کی دیوار پر آویزاں تھی۔ محبت چاہے کسی رنگ و روپ میں ہو وہ اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہے سچ تو یہ ہے کہ محبت کی ایک شکل ایسی بھی ہے جو تمام انسانی رشتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے فاطمہ نسرین کا شعری مجموعہ "بہاروں کی منزل" میری زیر نگرانی صرف تین ہفتوں کی کدو کاوش سے شائع ہوا۔ بہاروں کی منزل کی رسم اجراء بتاریخ ۱۹ راگست ۱۹۹۱ء کو ممتاز شاعرہ انجم نفس سوز کی رہائش گاہ (انجمن قمر ملے پلی) میں حیدرآباد کی منتخب تعلیم یافتہ خواتین کی موجودگی میں ممتاز نقاد و ادیب محترمہ صالحہ الطاف مدیر خاتون دکن کے ہاتھوں انجام پائی۔ فاطمہ نسرین نے مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ ــــــ حیدرآباد میں مختصر قیام کے دوران میں بے حد مصروف رہی۔ بچوں کی اور میری صحت کی ناسازی کا سلسلہ چلتا رہا۔ باقی وقت ملاقاتوں اور دعوتوں کی نذر ہو گیا۔ کتاب

کی اشاعت پر توجہ اس وقت کی جبکہ امریکہ کو واپسی کا وقت قریب آ گیا میں نے نیر بھائی (صلاح الدین نیر) سے اس کا ذکر کیا۔ ان کے اعلیٰ کردار اور ان کے جذبۂ ہمدردی سے میں بہت متاثر ہوں۔ ان کی مقناطیس جیسی شخصیت نے میرے کاغذات کے ایک ایک پرزے کو سمیٹ کر یکجا کیا اور بہت کم وقت میں بہت گہری دلچسپی اور محنت سے کلام کی تصحیح سے لے کر کتاب کی اشاعت تک سارے مراحل طے کیے۔ اس کرم فرمائی کے لیے میرے پاس شکریہ ادا کرنے الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں میری دعائیں ہیں جو ان کے ساتھ ہمیشہ رہیں گی میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔

ڈاکٹر صابرہ سعید

(مہذب گھرانے کی صاحب طرز قلم کار)

۱۴، ۱۵ برس کی مشرقی ماحول کی پروردہ ایک سنجیدہ، ذہین، خوش جمال اور خوش مزاج، سیدھی سادی لڑکی رخسانہ کو میں نے پہلی بار اُس وقت دیکھا جب وہ یہ کہنے کے لیے گھر سے باہر آئی تھی کہ صالحہ باجی گھر پر نہیں ہیں اور یہ کہا ہے کہ آپ کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دوں۔ میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اُس وقت رخسانہ اسکول کا ڈریس (گرین شرٹ اور سفید پاجامہ) زیب تن کیے ہوئے تھی عثمانیہ میٹرک اور علی گڑھ میٹرک کی تیاری ایک ساتھ کر رہی تھی صالحہ آپا سے جو میرا رشتہ ہے اُس کی توسیع کے لیے صبیحہ، رخسانہ اور عذرا بھی مجھے نیّر بھائی کہا کرتی تھیں۔ صبیحہ ابتدا سے کم آمیز رہی البتہ رخسانہ اور عذرا مجھ سے ملتی رہتی تھیں رخسانہ کا ترنم بے حد پُر اثر ہے رخسانہ کے ترنم کا مجھ پر گہرا اثر ہے میری بعض غزلیں اب بھی رخسانہ کے ترنم میں سنتا ہوں عذرا ایک اچھی آرٹسٹ ہے میرے تمام شعری مجموعوں کے سرورق عذرا نے ہی

تیار کیئے ہیں اس نے جامعہ عثمانیہ سے سوشیالوجی میں ایم اے کیا ہے جدید لب و لہجے کی شاعرہ بھی ہے۔ میں اپنی بہنوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشوں اور خوشیوں کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لیے اچھی اچھی کتابیں لے آتا۔ جب میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ او۔ ایل کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو رخسانہ مجھے انگلش کے نوٹس تیار کر کے دیا کرتی تھی۔ خاندان کی دوسری لڑکیوں کی طرح رخسانہ کی بھی شادی ہوگئی اور وہ سسرال چلی گئی۔ بہن چاہے میکہ میں رہے یا سسرال میں بھائی بہن کا رشتہ کبھی ٹوٹتا نہیں اور مستحکم ہو جاتا ہے رخسانہ کی شادی ۱۹۷۸ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد رخسانہ نے جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد رخسانہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ڈاکٹریٹ کے بعد رخسانہ نے اپنا علمی و ادبی کام جاری رکھا۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اردو ادب کے مختلف موضوعات پر تقریریں نشر کرتی رہیں۔ دوردرشن سے مباحث میں حصہ لیا۔ روزنامہ سیاست کے علاوہ ملک کے ادبی رسائل میں خاکہ نگاری کے مختلف پہلوؤں اور دیگر ادبی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے رہے۔ رخسانہ تقریباً ۵ سال تک شعبۂ اردو ویمنس کالج جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہیں شہر کے بعض کالجس میں پارٹ ٹائم لیکچرر کی حیثیت سے درس دیتی رہیں اس وقت سلطان العلوم کالج آف ایجوکیشن میں لیکچرار کی حیثیت سے کام کرتی ہیں رخسانہ شاعری بھی کرتی ہیں لیکن چھپوانا نہیں چاہتیں۔ رخسانہ کی شخصیت میں وہ تمام اعلیٰ خصوصیات شامل ہیں جو ایک مہذب، شائستہ اور باوقار خاتون کا حصہ ہوتی ہیں۔ رخسانہ

(ڈاکٹر صابرہ سعید فخم خاکہ نگاری کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالہ لکھا تھا ڈگری ملنے کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل اختیار کر گیا۔ اردو میں خاکہ نگاری (۱۹۷۸ء) اس کتاب کی ادبی حلقوں نے دل کھول کر پذیرائی کی۔ ڈاکٹر صابرہ سعید ان دنوں سلطان العلوم کالج (معظم جاہ کالج) میں اردو کی لیکچرر ہیں کچھ برس ویمنس کالج (جامعہ عثمانیہ) میں پارٹ ٹائم لیکچرر رہیں۔ میں رخسانہ سے ملنے کے لیے اب بھی کبھی کبھی اُس کے گھر جایا کرتا ہوں۔ اُس کا حال پوچھتا ہوں، اسی طرح جیسے ایک بھائی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ▲ (ماخوذ سلسلہ پھولوں کا ۱۹۹۴ء)

انیس قیوم فیاض

(پاکیزہ رشتہ کا بہترین تحفہ۔ نامور افسانہ نگار)

خاتون دکن سے وابستگی کے بعد حیدرآباد کے بعض نئے لکھنے والوں کی تحریریں رفتہ رفتہ مجھے متاثر کرنے لگیں جن میں طالبات بھی تھیں طالب علم بھی اور بعض اردو کے اساتذہ بھی۔ ان کے علاوہ معروف اہلِ قلم مرد و خواتین کی تخلیقات سے بھی میں متاثر ہوا۔ اس دوران مرد اہلِ قلم احباب کے ساتھ کچھ خاتون افسانہ نگاروں، ادیبوں اور شاعرات سے بھی ادبی خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ رشتوں کی پاکیزگی اور شائستہ روابط نے بھی احساس دلانا شروع کیا۔ خاتونِ دکن کے سلسلہ کا شائستہ اور پاکیزہ رشتوں کا ایک بہترین تحفہ انیس قیوم بھی ہے۔ مجھے ان دنوں جتنی تحریروں سے سابقہ پڑا ان میں سب سے زیادہ موثر صرف انیس قیوم کی تحریر ہوتی تھی۔ انیس کے خطوط موتیوں میں ڈھل کر نکلتے تھے میری تمام بہنوں میں انیس پہلی بہن ہے جس نے مجھے سب سے زیادہ خطوط لکھے ہیں اور ہر خط میں کبھی نہ ختم ہونے والی بھائی بہن کی محبت کی خوشبو

رہتی تھی۔ لیبیا میں سکونت کے زمانے میں بھی انیس مجھے پابندی سے خطوط لکھا کرتی تھی جب وہ بی ایس سی کی طالبہ تھی تو ان دنوں اُس کے زیادہ تر افسانے "بانو" اور "بیسویں صدی" میں شائع ہوتے تھے جب "خاتون دکن" ادبی حلقوں میں مقبول ہونے لگا تو مجھے حیدرآباد کے بہت سے اہل قلم خواتین و حضرات کا تعاون حاصل ہونے لگا۔ انیس نے بی ایس سی اور بی ایڈ کرنے کے بعد ایوننگ کالج (جامعہ عثمانیہ) سے ایم اے اردو امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا۔ تعلیمی امور میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھی۔ انیس مجھے ہر سال پابندی سے راکھی باندھتی رہی اپنے شوہر کے ساتھ سات برس تک لیبیا میں رہنے کے بعد گذشتہ تین سال سے حیدرآباد میں ہے وہ جب بھی حیدرآباد آتی ہے۔ مجھ سے ملنے کے لیے اپنے شوہر کے ہمراہ دفتر سیاست آجاتی پھر دونوں میرے گھر آجاتے ہیں۔ یہ ان کا ایک طریقہ تھا میرے گھر کے لوگ انیس کا بہت خیال رکھتے ہیں انیس نے میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی شادی کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا انیس اس طرح میرے گھر آتی ہے جیسے ایک حقیقی بہن اپنے پورے حقوق اور اعزازات کے ساتھ اپنے بھائی کے ہاں آتی ہے انیس ہے بھی اس قابل کہ اس کا خیال رکھا جائے زندگی کچھ اس قدر مصروف ہو گئی ہے کہ اب انیس سے مہینوں ملاقات نہیں ہوتی لیکن فون پر خیر و عافیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے جب انیس اپنی شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے شوہر کے ساتھ میرے گھر آئی تو اس نے اپنی خوبصورت سونے کی بالیاں میری چھوٹی لڑکی زینت نسرین کو پہنا دی۔ زینت نسرین اپنی پھوپی کے اس پرخلوص تحفہ کو تمام تحفوں میں سب سے اہم تحفہ سمجھ کر خوشی محسوس کرتی ہے انیس قیوم کے افسانوں کا مجموعہ "گھر کی دلہن" ۱۹۸۰ء میں اور مضامین کا مجموعہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (اقتباس "پھر بھی پرچھائیاں" ۱۹۹۲ء)

کویتا کرن

(اُردو کی مقبول شاعرہ ۔ دستک آئینے بھائی)

کویتا کرن سے میری پہلی ملاقات شعر و نغمہ کے ماحول میں ممتاز گلوکار وٹھل راؤ کے میوزیکل اسکول "سنگیت سادھنا" میں ہوئی۔ ایک شام جب میں سیاست آفس میں اپنے ادبی کام میں مصروف تھا تو میرے دوست وٹھل راؤ مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کچھ دیر کے لئے میں اُن کے ہمراہ سنگیت سادھنا اسکول چلوں جہاں مجھے ان کے ایک دوست امبا جی راؤ اڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس کی شاعرہ بیٹی سے نہ صرف تعارف کرانا ہے بلکہ اُس کو اپنے حلقۂ تلامذہ میں شامل کرنا ہے۔۔۔ جب میں وٹھل راؤ کے ساتھ سنگیت سادھنا پہونچا تو وہاں موجود لڑکیوں میں مجھے حیدرآبادی تہذیب سے آراستہ ایک لڑکی سب سے الگ دکھائی دی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے اندازہ لگایا کہ میں کون ہوں۔ وٹھل راؤ کے تعارف کرانے سے پہلے ہی اس نے مجھے حیدرآبادی انداز میں سلام کیا۔ اس تعارف

کے بعد میں نے کویتا کرن سے کچھ اشعار سُنے اور یہ محسوس کیا کہ اگر مناسب انداز میں اس نئی شاعرہ کی شعری تربیت کی جائے تو ایک دن یہ ہونہار شاعرہ اردو شعر و ادب میں اپنا مقام بنا سکے گی۔ کویتا کرن اُس وقت اُردو رسم الخط سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھی۔ اس لیے وہ (دیوناگری) ہندی رسم الخط میں اردو غزلیں لکھتی تھی میں نے کویتا سے پوچھا کہ تم اُردو زبان سے اچھی طرح واقف ہو تو پھر اُردو رسم الخط میں غزلیں کیوں نہیں لکھتیں۔ کویتا نے جواب دیا مجھے اُردو رسم الخط میں لکھنے میں تکلف محسوس ہوتا ہے۔ (اب کویتا اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کتابیں روانی کے ساتھ پڑھنے لگی ہے) کویتا نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ غزلیں سننے کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹ سے غزلیں سن کر مجھے اُردو شاعری سے دلچسپی ہونے لگی اور میں نے اپنے منتشر خیالات کو شاعری کے روپ میں ڈھالنا شروع کیا۔ میں نے کویتا کو محفل خواتین کے بارے میں بتایا اور شریک معتمد محفلِ خواتین مظفر النسا ناز سے کہا کہ اس نئی شاعرہ کی محفل خواتین میں خاطر خواہ پذیرائی ہونی چاہیے۔ وہ محفلِ خواتین کے جلسوں میں شریک ہونے لگی۔ جب میں پہلی دفعہ کویتا کرن کے گھر پہونچا تو وہ مقررہ وقت پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی میں نے اسکوٹر اسٹانڈ کی وہ دروازہ کے قریب آکر ٹھہر گئی میں نے ہینڈ دی تو اس نے فوری کہا۔ آیئے بھائی۔ میں نے جب اس کا ڈرائنگ روم دیکھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اُس کا ڈرائنگ روم صاف ستھرا ہر چیز اپنی جگہ سلیقہ سے رکھی ہوئی تھی ڈرائنگ روم

میں نہ تو ہندو کلچر کی چھاپ تھی نہ مسلم تہذیب کا رنگ۔ کوینا کی پوشاک، اس کی گفتگو، اس کے رہن سہن، اس کی نشست و برخواست حیدرآبادیوں جیسی ہے ملنے جلنے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خالص حیدرآبادی تہذیب کی پروردہ ہے۔ دوران گفتگو جب کوینا مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں نے کوینا سے کہا تم پہلے میری بہن ہو، بعد میں میری شاگرد ایسا کہنے پر وہ بہت خوش ہوئی۔ ایک دن وہ اپنے شوہر، بچوں اور اپنی بہن مینا کے ساتھ میرے گھر یاقوت پورہ (سید علی چبوترہ) آئی۔ دوپہر سے شام تک رہی۔ ہم نے لنچ مل کر کیا۔ میری اہلیہ اور میری لڑکی زینت نسرین نے ان مہمانوں کی تواضع کی۔ کوینا کے والد امباجی راؤ صاحب نے اپنی بیٹی کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ وہ کوینا کی ہر خوشی کا خیال رکھتے ہیں امباجی راؤ ایک خالص حیدرآبادی مزاج کے انسان ہیں وہ نہ صرف اردو زبان سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ وہ اچھی طرح اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ اپنی بیٹی کو شہر کے خاص خاص مشاعروں میں خود لے آتے ہیں۔ کوینا کو مشاعروں میں داد ملتی ہے تو خوش ہوتے ہیں کوینا نے شنکر جی میموریل کل ہند مشاعرہ کے علاوہ کئی بار ریڈیو سے اپنا کلام سنایا ہے دوردرشن کے پروگرام انجمن کے علاوہ نیشنل پروگرام (نیٹ ورک مشاعرہ میں بھی کلام سنا چکی ہیں یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے تحت اللفظ شعر سناتی ہیں۔ پڑھنے کا انداز متاثر کن ہوتا ہے۔ امباجی راؤ ایک دن اپنی بیٹی کے ہمراہ میرے گھر آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کوینا کا مجموعۂ کلام جلد از جلد شائع ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔

(ماخذ "سلسلہ پھولوں کا" ١٩٩٢ء)

یوسف ناظم

(نامور فرزندِ جامعۂ عثمانیہ۔ ممتاز طنز و مزاح نگار)

نامور فرزندانِ جامعہ عثمانیہ کی فہرست مرتب کرنے والوں کے لیے یقیناً وہ مرحلہ آزمائش کا ہوگا جب انہیں مختلف زمروں میں تقسیم کیے جانے کا مسئلہ درپیش ہو اس لیے کہ مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنے شعبہ میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ قابلیت اور شہرت کے اعتبار سے درجہ بندی ضروری تو ہے لیکن اُس وقت لغزش کا امکان رہتا ہے جب کسی خاص شخص کی صلاحیتوں کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تجزیہ نگار نہایت احتیاط سے قلم فرسائی کیا کرتے ہیں۔ دانشوروں کی تخصیص اور زمرہ بندی بھی امتحانی مرحلوں سے گزرتی رہتی ہے یہ فیصلہ مشکل ہوجاتا ہے کہ کس کا مرتبہ بلند ہے اور کس کا مرتبہ بلندتر۔ تجزیہ نگار اگر شخصیتوں کے صحیح خدوخال

کا ادراک رکھتا ہو شخصیتوں کی لیاقت و قابلیت کا صحیح اندازہ کرسکتا ہو تو اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کا جائزہ تشفی بخش ہوگا۔ وہ شعبہ ہائے حیات جو زیادہ زیر بحث رہتے ہیں اور وہ جو زیادہ پیش نظر رہتے ہیں ان میں ماہر تعلیم، ڈاکٹرز، انجینئرز، قلم کار، صحافی، سائنٹسٹ وغیرہ شامل ہیں لیکن ان شعبوں میں بھی کئی اعلیٰ درجہ کی شخصیتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں اس کے باوجود کچھ باکمال شخصیتیں ایسی بھی ہیں جو اپنے مخصوص شعبہ میں اپنے دیگر ہم عصروں و ہم عصر قدآوروں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قابل قدر شخصیت کی صلاحیتوں کا جائزہ بغیر کسی مقابلے، حوالے اور موازنے کے کیا جائے اگر ایسا ہو تو زمرہ بندی کے تعین سے تجزیہ نگار بچ جاتا ہے اس مخصوص شعبہ سے دلچسپی رکھنے والے یا شعور خود تصفیہ کرتے ہیں کہ کون شخص کس مرتبہ کا ہے حامل ہے ــــــ ممتاز عثمانین، نامور طنز و مزاح نگار یوسف ناظم کی ادبیانہ حیثیت کو تسلیم کرنے والے لوگ انہیں ان کی شخصیت اور ان کے فن کی روشنی میں ہی دیکھیں تو وہ کھل کر اپنے قلم کو روانی عطا کرسکیں گے۔

یوسف ناظم ایک ایسے طنز و مزاح نگار ہیں جنہیں کسی ایک مقام کی حد تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ جو قلم کار عالمی شہرت یافتہ ہوتے ہیں وہ ساری علمی و ادبی دنیا کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوسف ناظم حیدرآباد دکن کے پروردہ ہیں اور ہندوستان کے صف اول کے قلم کار ہیں لیکن اس طرح کے عظیم قلم کاروں کو ہم کسی ایک خطہ ارض تک محدود نہیں رکھ سکتے۔ ہم جیسے یا دیگر

کے لیے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ یوسف ناظم دورِ حاضر کے صفِ اول
کے ادیب ہیں ویسے تو وہ ساری اردو دنیا میں مشہور ہیں لیکن ہندوستان
پاکستان کے ادبی حلقوں میں انکا نام بھی اولین فہرست میں شامل ہے ۔ یوسف ناظم
کا وطن جالنہ ہے یہ پہلے ضلع اورنگ آباد کا تعلقہ تھا یہ خود ضلع ہے اورنگ آباد
پہلے ریاستِ حیدرآباد کا حصہ تھا جو لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع
پر مہاراشٹرا میں مل گیا ۔ میٹرک تک جالنہ میں تعلیم پائی ۔ اورنگ آباد انٹر
میڈیٹ کالج سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۴۰ء میں جامعہ عثمانیہ
سے بی اے اور ۱۹۴۴ء میں ایم اے کیا اسی سال انہیں لیبر ڈپارٹمنٹ میں مترجم کی حیثیت
سے ملازمت مل گئی ۔ ۱۹۴۶ء میں انکی شادی ہوئی مزاح نگاری کا سلسلہ ۱۹۴۴ء ہی
سے شروع ہوا ۔ روزنامہ "میزان" اور "پیام" میں ان کے مضامین چھپتے رہے
پھر اس کے بعد رسائل میں چھپتے رہے ۔ پہلی کتاب "کیف و کم" ادارۂ ادبیات
اردو نے ۱۹۶۳ء میں شائع کی ۔ اس کے علاوہ تا حال فٹ نوٹ ۔ دیوار نیم
زیرِ غور ، سائے ہمسائے ، فقط ، البتہ ، ذکرِ خیر ، بالکلیات شائع ہو چکی
ہیں تین کتابیں بچوں کے لیے بھی لکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں "ٹیک نہ مارو"
"الف سے ہے تک" اندرا گاندھی جنوبی افریقہ میں " کئی کتابوں پر ملک
کی کئی اردو اکیڈیمیوں نے ایوارڈ سے نوازا ۔ غالب ایوارڈ بھی ملا ۔ ایک
کتاب "مرغی کی ٹانگیں" مکتبہ جامعہ دہلی سے چھپ رہی ہے (یہ کتاب
بچوں کے لیے ہے) کتاب نما کے وجاہت نمبر اور شگوفے کے ہندوستانی مزاح نمبر
کے مہمان مدیر رہ چکے ہیں ۔ حال ہی میں سنسکرت کے شاعر بھرتری کی چند نظموں

کا منظوم ترجمہ کیا۔ کچھ دنوں تک "ملٹز" کا کالم "باتیں ہماریاں" لکھا۔ انقلاب (ممبئی) کا ہفتہ وار کالم "انواریہ" لکھتے رہے ہیں۔ ممبئی میں جشن ناظم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حال ہی میں "علیک سلیک" (خاکوں کا مجموعہ) شائع ہوا ہے۔ ڈسمبر ۱۹۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ یوسف ناظم جامعہ عثمانیہ کے اُن اولین فرزندوں میں سے ہیں جن کا اشہبِ قلم پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے علمی و ادبی ماحول نے انھیں بہت کچھ دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع فراہم کیا۔ ہندوستان کے بہ قیدِ حیات طنز و مزاح نگاروں میں یوسف ناظم کا نام بھی سرِفہرست ہے جامعہ عثمانیہ کے اُن کے ساتھیوں میں یوں تو ان کے بے شمار مداح ہیں لیکن جن لوگوں سے وہ قریب رہے اُن میں اشفاق حسین، میر حسن، ظفر الحسن، عابد علی خان محبوب حسین جگر، ہاشم علی اختر، رشید قریشی، امیر احمد خسرو وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اور یہ تمام لوگ اپنے اپنے میدان میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یوسف ناظم کا حیدرآباد میں محکمہ اعداد و شمار سے تعلق تھا لیکن لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر انھیں ترکِ حیدرآباد کرنا پڑا۔ ممبئی میں سرکاری عہدہ دار رہے ممبئی کے ادبی حلقوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ممبئی کے صفِ اول کے قلم کاروں میں ان کی پذیرائی ہونے لگی آج وہ ممبئی کے سینئر ترین طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ زود نویس مصنف ہیں یوسف ناظم کی سنجیدہ غزلیں ادبِ عالیہ میں شمار ہوتی ہیں پاکستان کے ادبی حلقوں میں بھی یوسف ناظم کی قدر و منزلت ہے ملک کے ادبی رسالوں میں اُن کے مضامین نمایاں طور پر

شائع ہوتے رہتے ہیں سیاست اخبار سے ان کے قلم کا قدیم رشتہ ہے بیسیوں مضامین انہوں نے سیاست کے لیے لکھے۔ آج بھی ان کے مضامین نہ صرف "سیاست" میں بلکہ کبھی کبھی "منصف" میں پڑھنے کو ملتے ہیں حیدرآباد کے ادبی رسالوں میں سب رس، شگوفہ اور خوشبو کا سفر میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یوسف ناظم ممبئی کے شہری ضرور ہیں لیکن وہ حیدرآباد کی ادبی روایات اور حیدرآباد کی محبت سے دیرینہ تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کو ان کا آنا جانا رہتا ہے زندہ دلان حیدرآباد کی سالانہ تقاریب میں وہ لازماً مدعو رہتے ہیں ان کے مضامین سے باذوق سامعین لطف اندوز ہوتے ہیں یوسف ناظم ایک طنز و مزاح نگار ہیں جو مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کے بھی تیر چلاتے ہیں ان کے طنز و مزاح میں پُر وقار سنجیدگی کے بعض پہلو نمایاں رہتے ہیں۔ قلم کی آبرو کو انہوں نے ہمیشہ وقار بخشا۔ معاشرہ کی بنتی بگڑتی صورتحال کو اپنے قلم کی سحر کاری سے اُجاگر کیا۔ یوسف ناظم زندہ دلان حیدرآباد کے سالانہ جلسوں میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں زندہ دلان کی پہلی کانفرنس سے ہی زندہ دلان حیدرآباد سے وابستہ ہیں۔ زندہ دلان حیدرآباد کی پہلی کانفرنس جو ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوئی تھی جس میں ملک بھر کے جدید و قدیم نامور مزاح نگاروں نے حصہ لیا تھا۔ خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس مشہور مزاح نگار ... بھی جو ممبئی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے زندہ دلان حیدرآباد کے سالانہ جلسوں میں شریک رہا کرتے تھے ان کا تعلق

بھی حیدرآباد سے ہے حیدرآباد میں شگوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال جناب حمایت اللہ سے بھی ان کے گہرے مراسم ہیں جب وہ حیدرآباد آتے ہیں تو زیادہ اپنا وقت ان دونوں حضرات کے ساتھ گزارتے ہیں ویسے بھی زندہ دلان حیدرآباد سے ان کا قدیم رشتہ ہے رشید قریشی، اختر حسن سے بھی ان کی رسم و راہ تھی بھارت چند کھنہ اور نریندر لوتھر کی زندہ دلان سے وابستگی کو زندہ دلان حیدرآباد کے لیے فال نیک سمجھتے تھے یوسف ناظم انتہائی معقول و مقبول ادیب ہیں خاص طور پر حیدرآباد اور ممبئی کے ادبی حلقوں میں ان کی بڑی پاسداری کی جاتی ہے ان کی برسوں کی خدمات کو کھلے دل و دماغ سے خراج پیش کیا جاتا ہے یوسف ناظم صاحب کی وہ تحریریں جو سماج کی بگڑتی ہوئی تصویر کشی کرتی ہیں کافی شہرت رکھتی ہیں یوسف ناظم صاحب ترقی پسند ادیب ہیں ممبئی کے تمام ترقی پسند شاعروں، ادیبوں سے ان کے بہت اچھے مراسم ہیں یوسف ناظم صاحب زائد از نصف صدی سے لکھ رہے ہیں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں کئی ایوارڈز پا چکے ہیں کئی ادبی انجمنوں اور علمی و ادبی اداروں سے وابستہ ہیں ملک کی تقریباً تمام ریاستوں میں ہونے والی طنز و مزاح کی تقاریب میں شرکت کر چکے ہیں عمر کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی ان کا قلم چل رہا ہے ہر مکتبِ خیال کے قلم کاروں سے ان کے روابط ہیں یوسف ناظم صاحب جہاں اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح نگار رہیں وہیں وہ اچھے شاعر بھی ہیں لیکن ان کی شاعری طنزیہ و مزاحیہ ادب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ...

سنجیدہ شعر کہتے ہیں۔ مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام پڑھنے کو مل جاتا ہے حیدرآباد میں ان کے بہت سے رشتہ دار اب بھی موجود ہیں زندہ دلان حیدرآباد کی سالانہ تقاریب میں شرکت کرنے کے علاوہ حیدرآباد کی مختلف تہذیبی تقاریب میں بھی شریک رہتے ہیں۔ سال میں ۲، ۳ دفعہ حیدرآباد ضرور آتے ہیں جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو اپنے دیرینہ دوستوں اور جامعہ عثمانیہ کے ساتھی عابد علی خان اور محبوب حسین جگر سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آجاتے ہیں۔ میں بھی ان سے نیاز حاصل کر لیتا ہوں یوسف ناظم صاحب نہایت فراخ دلی کے ساتھ جونیئر قلم کاروں (شاعروں، ادیبوں) کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یوسف ناظم صاحب ممبئی میں میرے ماموں زاد بھائی کے ہم سایہ ہیں ایک ہی بلڈنگ میں رہتے ہیں میرے بہنوئی واحد خان بھی ریاستی تقسیم کے وقت حیدرآباد سے مہاراشٹر چلے گئے۔ یوسف ناظم صاحب کی طرح وہ بھی لسانی تقسیم کی زد میں آگئے۔ یوسف ناظم صاحب سے میری خط و کتابت ہے زیادہ تر خط و کتابت کا ذریعہ خوشبو کا سفر ہوتا ہے خوشبو کا سفر کے لیے اپنے مضامین عنایت کرتے ہیں جو اہتمام کے ساتھ خوشبو کا سفر میں جگہ پاتے ہیں ہم حیدرآبادیوں کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ یوسف ناظم صاحب ساری اردو دنیا میں ایک نامور ادیب کی حیثیت سے تسلیم کیے جا چکے ہیں کئی سرکاری و غیر سرکاری اکیڈیمیوں کے علاوہ اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے

والی بعض انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں۔ ہم حیدرآبادیوں نے ایسے نامور قلم کاروں کو جو ملک و بیرونِ ملک میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں اپنے شہر کے قلم کاروں میں شمار کیا ہے اس لیے کہ بنیادی طور پر ان کا ادبی سفر حیدرآباد سے شروع ہوا یہاں کے ادبی ماحول نے ان کی صلاحیتوں کو اُبھارا۔ ادبی محفلوں کی سرگرمیوں نے انھیں خامہ فرسائی کے مواقع فراہم کیے۔ ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی حیدرآبادی سکونت پذیر ہیں انھوں نے اپنی سرزمین حیدرآباد کو، اپنے ملک ہندوستان کو نہیں بھولا۔ ان کی جسم و جاں میں اپنے ملک کی خوشبو بسی ہوئی ہے انھوں نے اپنے وطن سے رشتہ برقرار رکھتے ہوئے ترقی کے زینے طے کیے ہیں اور بہت سے حیدرآبادی اپنے اپنے میدانوں میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ یوسف ناظم سب کے لیے پسندیدہ شاعر و ادیب ہیں یوسف ناظم جیسے مایہ ناز قلم کاروں کی ہر دور میں قدر کی جاتی رہے گی وہ نہایت محبت پسند مخلص انسان ہیں جو فرزندِ مادرِ جامعہ عثمانیہ کے حوالے سے یاد کیے جاتے رہیں گے جامعہ عثمانیہ کے نامور شاعروں مخدوم محی الدین اور سکندر علی وجد سے ان کے گہرے مراسم تھے میکش حیدرآبادی، ماہر القادری، شاہد صدیقی، سلیمان اریب، بیر ابوبی کے علاوہ حیدرآباد کے ادیب شعرا، خورشید احمد جامی، سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے بعد کے سنجیدہ شاعروں میں راقم الحروف، ناصر کرنولی اور دیگر شعراء کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یوسف ناظم نے حیدرآباد کی تہذیبی اقدار کو مہاراشٹر تک وسعت دی ہے جس کی وجہ سے وہ وہاں کے مہذب معاشرہ دل میں بھی بستے ہیں۔

ابوالفیض سحر

(خود شناس دیدہ ور، باوقار دانشور ممتاز عثمانین)

اگر کسی شخص کو اپنی شناخت کا وجدان حاصل ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ رب العزت کی خاص عنایتوں کے ساتھ ساتھ اس کو زندگی میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز رہنا ہے تو وہ ابتدا ہی سے ترقی کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے۔ اپنی زندگی کے طویل سفر میں اس کو مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آسائشوں کے ساتھ ساتھ مشکلوں سے بھی آنکھ ملانا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے کو سست گامی نہیں کہتے بلکہ طویل سفر کے خیال سے وہ اپنے قدم روک لیتے ہیں۔ اپنے منزل مقصود کی تکمیل تک پہنچنے کا خواہش مند شخص کبھی حالات سے گھبراتا نہیں وہ پوری توانائی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ رواں دواں شخص بلا قید موسم اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھتا ہے لاکھ مشکلیں آتی رہیں طوفان ابھرتے رہیں لیکن اس کا سفر رکتا ہی نہیں۔ جاری رہتا ہے۔ ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو

دیکھا ہے جو اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل بوتے ترقی کرتے چلے گئے۔ کشمکش حالات اُلجھے ہوئے ماحول، ناساعد موسم کو نظر انداز کرتے ہوئے [illegible] قسمت آزمائی کرنے والوں میں حیدرآباد کی ایک اہم شخصیت ابوالفیض سحر کی بھی ہے جو ۳۰ برس سے دلی میں ہیں۔ اپنی ذاتی محنت اور خداداد صلاحیتوں سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اعلیٰ مرتبہ تک پہونچ گئے ہیں۔ معاشرہ میں خاص طور پر شعر و ادب کی دُنیا میں اپنا مقام بنانا ہر اہل قلم کے بس کی بات نہیں ہے وہی شاعر و ادیب اپنا مقام بنا لیتا ہے جو اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا چاہتا ہے اس طرح کی صلاحیت رکھنے والی باحوصلہ شخصیت ابوالفیض سحر کی بھی ہے۔ ابوالفیض سحر جامعہ عثمانیہ کے قابل طلباء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اردو کے زمانے میں ایم اے اردو میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ کالجس کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا۔ تقریری اور بیت بازی مقابلوں میں حصہ لیا۔ جامعہ عثمانیہ اور اس سے ملحقہ تمام کالجس کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ ایم اے کرنے کے بعد بحیثیت درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک اس پیشہ سے جڑے ہوئے نہیں رہے۔ کچھ ایسے حالات رہے کہ وہ دلی چلے گئے وہاں کے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیا لیکن اپنی انفرادیت باقی رکھی۔ حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ دلی میں وہ ترقی اردو

بورڈ سے وابستہ ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے سربراہ بن گئے۔ ترقی
اردو بورڈ بن گئے۔ وزارت داخلہ حکومت ہند کے شیر بھی رہے۔ ملازمت
کے دوران بے شمار کتابوں کی صورت گری، ترتیب و تزئین کے سلسلے
میں ترقی اردو بورڈ میں کلیدی رول ادا کیا۔ ایک اعلیٰ درجہ کے کارکن کی
حیثیت سے اپنی پہچان بنائی۔ دلی اور ملک کے بہت سے علمی و ادبی
اداروں اور انجمنوں کے زیر اہتمام منعقدہ ادبی مذاکروں میں حصہ لیتے
رہے۔ تقریریں کیں۔ مقالے لکھے اور کئی کتابیں شائع کیں۔
بھی بنے اور مولف بھی رہے۔ چھ کتابوں کے نام یہ ہیں تنقیدی نظر،
خسرو شناسی، دودِ چراغِ محفل، خلا میں پہلا ہندوستانی، تناظر و
تجزیے، فن اور فنی مباحث اور شفق (شعری مجموعہ)۔
ابوالفیض سحر ایک بہترین شاعر بھی ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام بھی
شائع ہوتا رہتا ہے باذوق لوگ جو ادب عالیہ کے خاص طور پر دلدادہ
کے متمنی رہا کرتے ہیں۔ ابوالفیض سحر کی کچھ اور کتابوں کی اشاعت کے
منتظر ہیں۔ ابوالفیض سحر کو بس زائد از ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ ہماری
زندگی کا عمر بھی لگ بھگ ۴۰، ۴۵ برس کی ہے۔ ابوالفیض سحر ظہیر آباد میں
قائم کردہ ادبی انجمن بزم سخن کے روح رواں تھے۔ یہ انجمن اہم باقاعدگی
سابق ایم پی کی زیر سرپرستی عبدالکریم جمالی اور ابوالفیض سحر کی شخصی دلچسپی
سے قائم ... کے بہت سے شاعروں میں، میں نے بھی شرکت کی
... امور شاعرو ... کے شاعروں ... ہمیشہ اپنا ...

دیا۔ ابوالفیض سحر، ایم پاشا [illegible] سابق ایم پی ایک شخص دو [illegible]
[illegible] ولسے نہ صرف اردو کے اچھے ہوئے [illegible] ان کے سلسلے میں کام لیا بلکہ
طلبہ ادب اردو تنظیم اور مشاعروں کے لئے ایک خوشگوار ماحول پیدا
کیا۔ ابوالفیض سحر، پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ
کے خاص شاگرد رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر اپنے دولت خانے پر
ہر ماہ ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا کرتے تھے جس میں آس پاس کے نامور شاعروں
کے علاوہ نوجوان یا اہل ذوق نئے شاعروں کی بھی پذیرائی کی جاتی تھی
ابوالفیض سحر ان محفلوں میں اپنا کلام سناتے تھے بلکہ محفل کو آراستہ
کرنے میں پروفیسر سروری صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس زمانے میں
ابوالفیض سحر فضا کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کرتے تھے جن میں
زیادہ تر جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھنے والے اہل قلم اساتذہ طلباء و
طالبات کی تخلیقات شائع ہوا کرتی تھیں۔ میٹرک کامیاب کرنے
کے بعد انہوں نے چادرگھاٹ کالج میں داخلہ لیا جہاں انہیں ڈاکٹر سید محی
الدین قادری زور اور خواجہ حمید الدین شاہد جیسے اساتذہ سے مستفید ہونے
کا موقع ملا۔ انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم رہنے کے دوران وہ کالج کی زائد
از نصابی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ہاشم حسن سعید ان کے
کالج کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ ابوالفیض سحر پہلے نشتر تخلص کرتے
تھے بعد میں انہوں نے سحر تخلص اختیار کرلیا۔ ابوالفیض سحر کے دلی جانے
کے بعد ان کا تعلق حیدرآباد کی ادبی سرگرمیوں سے کم ہونے لگا۔ لیکن

علمی و ادبی کام کرنے کی تربیت جن اساتذہ سے حاصل کی تھی وہ دلی میں اُن کے بہت کام آئی۔ آج خدا کے فضل سے ملک کے صفِ اول کے قلم کاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ابوالفیض سحر نے بیرونِ ملک میں قائم ادبی انجمنوں کو اپنے بعض بہترین مضامین اور بیشتر تقریروں سے نوازا ہے اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے دلی کی ادبی سرگرمیوں سے اپنی پوری شناخت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ علمی و ادبی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ دلی کے بڑے بڑے علمی و ادبی اداروں سے وابستہ ہیں۔ محسنِ اُردو علی صدیقی کی قائم کردہ عالمی اُردو کانفرنس کے اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ دلی میں مستقل قیام ہے۔ ان کے گھر کا ماحول مشرقی طرزِ حیات کا آئینہ دار ہے ان کے بچے تمام کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں سب کے سب اُردو زبان اور تہذیب سے آشنا ہیں۔ ابوالفیض سحر کی زندگی قابلِ رشک ہے سحر صاحب نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لایا۔ ان کا قلم آج بھی چل رہا ہے فکر و خیال کی خوشبو سے سارے ادبی ماحول کو معطر کر رہے ہیں۔ ابوالفیض سحر میرے بہت ہی اچھے دوست ہیں میری طرح حیدرآباد کے شاعر ابن رئیس اختر کو بھی بہت قریب سے محسوس کرتے ہیں جب کبھی حیدرآباد آتے ہیں نوجوان سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے فون پر گفتگو کے علاوہ ادبی محفلوں میں بھی اپنے لب و لہجے کی مٹھاس سے ساری محفل کو مسحور کر دیتے ہیں۔ ترقی اُردو بیورو کے اہم عہدہ دار کی حیثیت سے انھوں نے گجرال کمیٹی کے لیے بہت کچھ کیا۔

ہے۔ قیمتی مشوروں سے دار... تحقیقات کے اکثر سربراہوں کی آنکھ میں ابوالفیض سحر کی رہنمائی منت رہی ہیں۔ یہ کارِ خیر آج بھی جاری ہے۔ اردو کے تمام ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اردو ادب کا کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو ہر ایک بہترین خیالات سے بات میں اضافہ کرتے ہیں۔ ابوالفیض سحر کی ساری زندگی جہدِ مسلسل کا اعلیٰ نمونہ ہے جب کبھی حیدرآباد آتے ہیں اور ان دنوں کوئی ادبی پیام مجھ سے متعلق ادبی انجمنوں کا ہونے والا ہو تو سحر کو لازماً مدعو کیا کرتا ہوں۔ سحر صاحب کے ادبی مضامین انڈو پاک کے اہم ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں کبھی کبھی کسی ادبی رسالے میں ان کا کلام بھی پڑھنے کو ملتا ہے "خوشبو کا سفر" میں ان کے مضامین کے علاوہ ان کی شاعری بھی شائع ہوتی رہتی ہے سحر صاحب کا تہذیبی رشتہ کلاسیکی اقدار کا آئینہ دار ہے۔ [illegible] صاحبِ قلم ہیں۔ اردو کے قدیم ورثے کے تحفظ کے لیے بھی تحریروں کے ذریعہ متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا طرزِ تحریر پاک و صاف ہوتا ہے ان کا علمی اندازِ تحریر ذہن کے کئی گوشوں کو منور کر دیتا ہے اندازِ تخاطب بھی ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کرتا رہتا ہے شعر و ادب کے معاملات میں ان کے فکر و خیال کی روشنی فیض رساں ثابت ہوتی ہے میں اپنے ایسے دوستوں پر ہمیشہ فخر محسوس کرتا رہوں گا جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے سوسائٹی میں اپنا ایک اعلیٰ مقام بنا لیا ہے۔ سحر میرے ایسے ہی دوستوں میں شامل ہے جن پر مجھے فخر حاصل ہے۔

سعید بن محسن باغزال

(بزمِ عثمانیہ جدہ کے سرپرست جدہ میں حیدرآبادیوں کے لیے سائبان)

نامور فرزندانِ جامعہ عثمانیہ کی ایک طویل فہرست ہے قیامِ جامعہ عثمانیہ کے بعد سے آج تک لاتعداد فرزندانِ جامعہ عثمانیہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا قابلِ ذکر شعبہ نہیں ہے جس میں جامعہ عثمانیہ کے سپوتوں نے اپنا نام نہ کمایا ہو۔

دورِ حاضر میں جن کو میں جانتا ہوں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ بیرونِ ملک ہی نہیں اندرونِ ملک بھی اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں اس وقت حیدرآباد میں بھی یہ قیدِ حیات بے شمار عثمانین ہیں جو اپنی مادرِ جامعہ کا نام روشن کر رہے ہیں بعض دانش کدے اس قدر مشہور ہیں کہ جن کی وابستگی سے ہی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں ایسے بیسیوں فرزندانِ جامعہ عثمانیہ سے واقف ہوں جو فخر بہ طور پر فرزندِ جامعہ ہونے پر پھولے نہیں سماتے

حضرات ہی نہیں خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد دختران جامعہ عثمانیہ میں شامل
ہے۔ بعض دانش کدے اتنے پرکشش ہوتے ہیں کہ وہ اپنے فرزندوں کو ان
کی زندگی کے ہر موڑ پر یہ احساس دلاتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں
کیوں نہ رہیں انہیں یاد رکھیں۔ وابستگی کا احساس معاشرہ میں برگزیدہ بنا
دیتا ہے جذبۂ وابستگی ہر مشکل مرحلہ پہ نہ صرف ایک قوت عطا کرتا ہے
بلکہ حوصلہ دلاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو کسی ادارے یا کسی مرکز سے ایسا رشتہ
رکھتا ہے اگر وہ باظرف ہو تو تادم زیست ان اداروں اور اُن مراکز کے
احسانات کو کبھی بھی بھول نہیں سکتا۔ ممتاز عثمانین سعید بن محسن باعزال
جو زائد از ۳۰ برسوں سے جدہ میں مقیم ہیں اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں
کہ وہ عثمانین ہیں وہ مادر جامعہ کو بھولے نہیں ہیں شاید یہی جذبہ باقی لگا رہے
جس کے زیر اثر وہ جدہ میں قائم بزم عثمانیہ جدہ سے وابستہ ہیں صرف وابستہ
ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے سربراہ بھی ہیں اور کئی برسوں سے بزم عثمانیہ جدہ کی علمی و
ادبی، شعری و تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں بزم عثمانیہ کے متحرک و
فعال جنرل سکریٹری عارف قریشی کی سرپرستی کرتے ہیں بزم عثمانیہ جدہ کے تمام
پروگراموں کے انعقاد میں ان کی مشاورت اور ان کی سرپرستی کا بڑا دخل رہتا
ہے سعید صاحب عارف قریشی کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے متاثر ہیں یہی
وجہ ہے کہ وہ عارف قریشی کا برسوں سے ساتھ دے رہے ہیں سعید بن محسن باعزال
حیدرآباد کی پہلی ممتاز شخصیت ہیں جو جدہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے
دیکھے جاتے ہیں سعید صاحب کے سعودی سربراہان حکومت سے مراسم ہیں

سعودی شہریوں میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں وہ خود بھی سعودی عرب کے شہری ہیں سعید بن محسن باعزال فرزندِ جامعہ عثمانیہ ہونے کی وجہ سے جامعہ کی تہذیبی روایات کو محسوس کرتے ہیں۔ حیدر آبادی تہذیب اعلیٰ اقدار اور تہذیب گزشتہ کی شدت سے پاسداری کرتے ہیں سعید بن محسن باعزال سے میں ۲۰ برس پہلے سے واقف ہوا جب وہ عابد علی خان اور جگر صاحب سے ملاقات کے لیے "سیاست" آفس آتے تھے جگر صاحب نے میرا اُن سے تعارف کروایا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ یہاں اُن کی حیدر آباد آمد کے سلسلے میں "سیاست" کے لیے نیوز بناؤں۔ سعید بن محسن باعزال کا اسی زمانے میں حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب کے پس منظر میں "سیاست" میں بہت ہی عمدہ مضمون شائع ہوا تھا وہ مضمون پڑھنے کے بعد میں بہت متاثر ہوا جی چاہا کہ اگر وہ حیدر آباد آئیں تو اُن سے مل لوں۔ جب وہ دوبارہ حیدر آباد آئے تو میں نے اُن سے خواہش کی تھی کہ وہ حیدر آباد سے متعلق مضامین سے ہمیں نوازیں۔ اس کے بعد ان کے کچھ مضامین سیاست میں شائع ہوئے۔ جب ۱۹۹۰ء میں جدہ میں ۴۰۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب کا اہتمام کیا گیا تو اس تقریب کے سلسلے میں بھی اُن کا بڑا تعاون رہا۔ نہایت شاندار پیمانے پر جشن حیدر آباد تقاریب منعقد ہوئیں ان تقاریب کے دوران ایک دن مشاعرہ بھی ہوا جس میں حیدر آباد کے مہمان شعراء کے علاوہ سعودی عرب میں مقیم حیدر آبادی شاعروں نے کلام سنایا تھا حیدر آباد سے میرے علاوہ ڈاکٹر رشید موسوی، علی الدین نوید، حمایت اللہ، بوگس حیدر آبادی، مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوندمیری، صبغت اللہ ہمایت وغیرہ تے

نے بھی شرکت کی تھی۔ جشنِ حیدر آباد تقریب میں جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر، جناب ہاشم علی اختر اور جناب صلاح الدین اویسی بھی مدعو تھے سعید بن محسن باغزال اُن حیدر آبادیوں کی محفل میں لال رنگ کی رومی ٹوپی پہنے ہوئے، اعلیٰ درجہ کی شیروانی زیبِ تن کیئے ہوئے خالص قدیم حیدر آبادی دکھائی دے رہے تھے جشنِ حیدر آباد تقاریب کے بعد بزمِ عثمانیہ جدہ کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۲ء میں ایک مشاعرہ ہوا۔ امیر احمد خسرو، رئیس اختر اور میں نے شرکت کی تھی دوسرا مشاعرہ انڈین ایمبسی اسکول کی جانب سے ہوا تھا جس میں میں اور رئیس اختر نے حیدر آباد کی نمائندگی کی تھی۔ عارف قریشی کی شخصی دلچسپی کے علاوہ سعید بن محسن باغزال صاحب کی مرضی کو بھی دخل تھا کہ ہم ان دونوں مشاعروں میں مدعو رہیں۔ سعید بن محسن باغزال نے جدہ میں ہماری بہت پزیرائی کی۔ اپنے دولت خانہ پر ایک پُر تکلف عشائیہ دیا۔ ہمارے مراسم ان دو مشاعروں کے بعد کچھ زیادہ ہی مستحکم ہوئے۔ حیدر آباد کو وہ کسی نہ کسی بہانے جب بھی آتے ہیں ان سے لازمی طور پر ملاقات ہوتی ہے اگر ان کے قیام کے دوران ان کے کسی عزیز کے ہاں شادی کی تقریب ہو تو وہ لازماً مجھے اور رئیس اختر کو مدعو کرتے ہیں سعید صاحب ایوانِ پریس معظم جاہ شجیع کے مشاعروں کے علاوہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں بہ حیثیت مہمان خصوصی مدعو رہے ہیں۔ ان کی پُر اثر تحریر کی طرح ان کا طرزِ تخاطب بھی متاثر کن ہوتا ہے جدہ میں حیدر آبادیوں کے لیے سعید بن محسن باغزال سائبان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حیدر آبادیوں کے مسائل کو سلجھاتے میں پیش پیش رہتے ہیں

نہایت ہمدرد، بامروت انسان ہیں۔ ہاشم علی اختر، ڈاکٹر منان اور نواب شاہ عالم خان سے بھی ان کے دوستانہ مراسم تھے جب بھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو ان کا قیام افتخار حسین صاحب (فدا علی) کے مکان میں رہتا ہے سعید صاحب معلومات کا خزانہ ہیں حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب اور قدیم روایات حیدرآباد پہ وہ ایک جامع کتاب لکھ سکتے ہیں اگر وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں تو حیدرآباد کی بڑی خدمت ہوگی بلکہ فرزند جامعہ عثمانیہ ہونے کے ناتے ایک اخلاقی قرض کی تکمیل ہوگی۔ سعید بن محسن باعزال جب کبھی سیاست آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ حیدرآباد میں سعید صاحب کے دوستوں کی ایک بڑی تعداد ہے سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب جناب محمود بن محمد سے بھی ان کے اچھے مراسم ہیں خلیل الرحمٰن صاحب سابق ایم پی سے بھی روابط ہیں۔ سعید بن محسن باعزال نہایت مخلص، خالص حیدرآبادی مزاج کی حامل شخصیت ہیں آئینہ مثال ان کی شخصیت نے مخاطب کو ہمیشہ متاثر کیا۔ شعری و ادبی کتابوں کے مطالعہ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں جب بھی حیدرآباد آتے ہیں تو اپنی پسند کی کچھ کتابیں خریدتے ہیں سعید صاحب اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں کہ حیدرآباد میں علمی و ادبی شعری و تہذیبی سرگرمیاں پوری آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ حیدرآباد کی خاص خاص علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ان کی یہ خواہش رہتی ہے کہ حیدرآباد کا ہر باصلاحیت قلم کار شعر و ادب کی دنیا میں مشہور ہے وہ سرزمین حیدرآباد کی خوشبو سے اپنے دل و جان کو مہکاتے رہتے ہیں اپنے حیدرآبادی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں ان کی وضع داری ایک مخصوص انداز سے خوشبو کا سفر طے کر رہی ہے

حسن چشتی

(تہذیبی سفیر۔ شکاگو میں حیدرآباد کی پہچان)

معاشرہ میں بعض لوگ اس طرح کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا کسی سے بہ ظاہر کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ نہ تو خون کا رشتہ، نہ اخلاص و محبت کا، نہ دوستی و دشمنی کا۔ پھر بھی بعض شخصیتیں کچھ اس قدر متاثر کن ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں جاننے کے لیے طبیعت مائل ہو جاتی ہے جن کے بارے میں خود بہ خود ایک ایسی رائے قائم ہو جاتی ہے کہ معاشرہ میں وہ قابل ذکر ہو جاتے ہیں جن کی سرگرمیاں اور جن کے کارنامے اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ معاشرہ کے ایک اہم رکن ہیں اور ایک ایسے رکن ہیں جن پر ہمیشہ لوگوں کی نظریں جمی رہتی ہیں۔ اپنے فلاحی، شعری، ادبی، علمی و تہذیبی کارناموں کے حوالے کچھ کر دکھانے والے لوگوں کی زندگی رواں دواں رہتی ہے۔ شستہ تنہائی، سوچ سوچ کر قدم بڑھانا ان کے فطری بہاؤ کے مطابق ہوتا ہے وہ اپنی سرگرمیوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کا ہر فلاحی، تہذیبی و

ثقافتی عمل کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جس کام کو تکمیل تک پہونچانا چاہتے ہیں وہ عملی اقدام کے ساتھ کامیاب و کامران رہتے ہیں چونکہ ان کا ہر قدم صراط مستقیم کی طرف بڑھتا رہتا ہے اس لیے پروردگارِ عالم اُن کی خوشیوں کو پورا کرتا ہے ان کی نیک نیتی اور ان کے نیک اقدام کو کامرانی کی طرف موڑ دیتا ہے اس طرح کے لوگ جب مست و سرشار رہتے ہیں تو نہ تو وہ جسمانی تھکن محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ذہنی تھکن۔ بلکہ اچھے اور انسانیت کے فائدے کے لیے کی جانے والی سرگرمیوں سے انہیں ایک ایسی طاقت ملتی ہے جو ان کے دل و دماغ کو گرماتی رہتی ہے ان کے جسم کی حرارت' اُن کی رگوں میں بہتے ہوئے خون کو ہر لمحہ خراج پیش کرتی رہتی ہے۔ اس تمہیدی تحریر کی روشنی میں امریکہ (شکاگو) میں حیدرآباد کے ٹھہرے ہی سفیر حسن چشتی کی جانب خود بہ خود نظر اُٹھ جاتی ہے۔ حسن چشتی صاحب شکاگو میں خاص طور پر حیدرآبادیوں کے لیے اور ایسے حیدرآبادیوں کے لیے جو نجی اور غیر نجی مسائل میں گھرے رہتے ہیں مسیحا کا کام کرتے ہیں ان کے لیے سائبان کی حیثیت رکھتے ہیں میرے کچھ احباب جن کا شکاگو آنا جانا رہتا ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حسن چشتی حیدرآبادیوں کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو اُن کے بس میں ہوتا ہے اگر کوئی حیدرآبادی روزگار کی تلاش میں غیر یقینی حالات سے گزر رہا ہے تو وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ اس کے مسائل کی جلد از جلد یکسوئی ہو جائے وہ اس سلسلے میں ہر ممکنہ تعاون کرتے ہیں اور بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہتے ہیں۔ میں نے اپنے بعض دوستوں سے یہ بھی سُنا ہے کہ اگر کسی حیدرآبادی کو شکاگو سے حیدرآباد

آتا ہے اور اس کے ہاں واپسی کے ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں تو وہ کسی نہ کسی طرح اس کے ٹکٹ کا انتظام کرتے ہیں انہیں کسی بھی حیدرآبادی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ شکاگو میں مقیم حیدرآبادیوں سے ان کے بہت ہی اچھے دوستانہ مراسم ہیں ان کے مختلف مسائل کی یکسوئی کے لیے بھرپور تعاون کرتے ہیں حسن چشتی ایک طویل عرصہ سے شکاگو میں مقیم ہیں گرین کارڈ ہولڈر ہیں۔ شکاگو میں کوئی علمی، ادبی و تہذیبی ایسی انجمن نہیں ہے جس سے حسن چشتی کا کسی نہ کسی حیثیت سے واسطہ نہ ہو۔ تمام حیدرآبادیوں سے انہیں دلی لگاؤ ہے یہ سب کچھ وہ حیدرآباد کی محبت میں کرتے ہیں حیدرآباد کی مٹی کی خوشبو ان کے جسم و جاں کا ایک اٹوٹ حصہ بنی ہوئی ہے حیدرآباد کی خوشبو اُن کی سانسوں کو مہکاتی رہتی ہے اور یہ مہک شکاگو کی ہر تہذیبی و ثقافتی محفل میں اثر انداز رہتی ہے حسن چشتی جدہ سے ۲۰، ۲۲ برس پہلے شکاگو منتقل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ جدہ میں تھے جہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ ان کے تمام نامکمل کام جدہ میں ان کے عزیز دوست عارف قریشی نہایت سلیقے سے انجام دے رہے ہیں شکاگو میں علمی و ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کے علاوہ وہ فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے یہی تہذیبی ذہن جدہ میں شروع کی ہوئی سرگرمیوں کو شکاگو میں پایۂ تکمیل کو پہنچانے میں سرگرم عمل ہے جدہ میں ان کے رفقائے کار میں عارف قریشی زیادہ نمایاں تھے جدہ کی ایک بزرگ شخصیت ممتاز عثمانیین سعید بن محسن باغزال ہے یہی وہ مختلف پروگرام کے سلسلے میں تعاون

حاصل کرتے تھے۔ حسن چشتی جب تک حیدرآباد میں رہے وہ اپنی مثالی و فعال شخصیت کی وجہ سے مختلف قسم کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں مصروف رہے جامعہ عثمانیہ کی ملازمت کے دوران اپنے آفس کی ذمہ داریوں کو وقار بخشا بیسیوں ضرورت مند طلباء کی مدد کی۔ اساتذہ سے دوستانہ مراسم رکھے طلباء کے لیے مشفق رہے کسی زمانے میں حسن چشتی آکاش کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے اُن سے حیدرآباد میں میری ملاقات کہیں بھی نہیں ہوتی تھی یہ الفاظِ دیگر اُن سے میری پہچان کا آغاز اُن کی جدہ کی تہذیبی زندگی سے ہوتا ہے وہ جدہ میں مختلف تہذیبی و ادبی پروگراموں کے انعقاد میں خاصی دلچسپی لیتے رہے۔ ان کی سرگرمیوں کی خبریں اخبار سیاست میں چھپتی رہیں۔ شکاگو منتقل ہونے کے بعد بھی انہوں نے جدہ کی ادبی و علمی و تہذیبی سرگرمیوں کو شکاگو کی محفلوں تک پہونچایا۔ سیاست اخبار کے ذریعہ اُن کی ادبی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا رہتا ہے شکاگو میں مشاعروں کے انصرام و اہتمام میں بھی کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ اگر حیدرآباد کی کوئی سرکردہ ادبی شخصیت شکاگو پہونچے تو وہ اُن کے خیر مقدم کے لیے لازماً ادبی محفل سجاتے ہیں ان کی سرگرمیوں میں مشاعروں کو بھی بڑا دخل رہتا ہے حسن چشتی بہت اچھے شاعر ہیں بہترین نثر نگار بھی ہیں معروف شعر بھی ہیں حسن چشتی صاحب کو اردو زبان و ادب سے گہری دلبستگی ہے ان کی اس دلچسپی کا اظہار مختلف مواقع پر ہوتا رہتا ہے گزشتہ ۲ سال سے سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جناب سید ہاشم علی اختر شکاگو میں مقیم ہیں جن کے حسن چشتی صاحب

اچھے خاصے دوستانہ مراسم ہیں حسن چشتی صاحب، ہاشم علی اختر صاحب کی اکثر تحریریں اخبارات و رسائل میں اشاعت کے لیے روانہ کرتے ہیں چنانچہ حیدرآباد میں ماہنامہ سب رس اور خوشبو کا سفر میں ان کی تحریریں شائع ہو چکی ہیں اور یہ خوشگوار سلسلہ جاری ہے حسن چشتی نہایت وجیہ، وضع دار اور فعال شخصیت کے مالک ہیں اپنی عمر کے ۸۰ ویں دہے کے قریب پہونچنے کے باوجود بھی وہ چاق و چوبند ہیں۔ وہ نوجوانوں کی طرح علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہا کرتے ہیں حسن چشتی کے مراسم صرف حیدرآباد کے حلقۂ دانشوران تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کے مراسم کا دائرہ بہت وسیع ہے ادبی دنیا کے ہر خطہ میں رہنے والے اہل قلم اردو والے ان کے نام سے واقف ہیں حسن چشتی ہر ۲، ۵ سال کے وقفہ سے حیدرآباد آتے ہیں اور یہاں اپنے تمام قدیم دوستوں، شناساؤں، رشتہ داروں سے فرداً فرداً ملاقات کرتے ہیں ہر ایک سے ملاقات کے وقت ان کے چہرہ کے نقوش سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صمیم قلب کے ساتھ مل رہے ہیں۔ ان کی ملاقات میں تصنع نہیں رہتا۔ کھلے دل و دماغ کے آدمی ہیں۔ حیدرآباد آنے کے بعد اپنی پسند کی بہت سی کتابیں حسامی بک ڈپو سے خریدتے ہیں حیدرآباد کے علمی و ادبی اداروں کے سربراہوں اور ان کے کارکنوں سے ملاقات کرتے ہیں حسن چشتی صاحب کے اعزاز میں بھی مختلف اداروں کی جانب سے محفلیں آراستہ کی جاتی ہیں یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک یار باش، بامروت اور شریف النفس انسان ہیں حسن چشتی صاحب سے میرا تہذیبی اور شاعرانہ رشتہ ہے

ایک دوسرے کو محسوس کرنے کا رشتہ ہے خلوص و محبت کا رشتہ ہے۔
حیدرآباد میں اب بھی ان کے بے شمار دوست و احباب موجود ہیں میرے
حلقۂ احباب میں رئیس اختر اور ہاشم حسن سعید سے ان کے قریبی مراسم ہیں
رئیس اختر سے خط و کتابت اور ذریعہ فون رابطہ قائم ہے ہاشم حسن سعید
سے فون اور ای میل کے وساطت سے ادبی و تہذیبی رشتہ برقرار ہے اخبار
سیاست سے ان کا گہرا تعلق ہے عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر
صاحب سے ان کے اچھے روابط تھے سیاست کے قدیم اسٹاف سے ان کا
خیر سگالی رشتہ مروابط ہے حسن چشتی شکاگو میں حیدرآباد کے تہذیبی سفیر ہیں
جس طرح جدہ میں عارف قریشی حیدرآبادیوں کے تہذیبی سفیر ہیں حسن چشتی
صاحب جیسے لوگ ہی اپنے بہترین کارناموں، انسانی رشتوں، اعلیٰ
اقدار کی پاسداری اور اپنی ذاتی شرافت کی وجہ سے معاشرہ کا اہم حصہ بنے
رہتے ہیں۔ ہم حیدرآبادیوں کے لیے یہ بات باعثِ فخر و مباہات ہے
کہ وہ شکاگو میں حیدرآبادی تہذیب اور حیدرآباد کی اعلیٰ روایات کے ترجمان
ہیں۔ خدا انہیں طویل عمر عطا کرے تاکہ ان کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں
کے سبب ہم سب زیادہ سے زیادہ مسرت محسوس کرتے رہیں ـــــ

عارف قریشی

(سفیر اردو برائے جدہ سعودی عرب) (کارکردہ فعال شخصیت)

معاشرہ میں اپنی جیارفتار سرگرمیوں کی یہ دولت رواں دواں رہنے والے لوگ جہاں کہیں بھی رہیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ منجمد ذہنیت و فکر رکھنے والے لوگ زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور ایسے لوگ جو زندگی کے سفر میں سست گام رہتے ہیں ان کا حالات کبھی ساتھ نہیں دیتے۔ معاشرہ میں وہی لوگ زندہ رہتے ہیں جو ایک ایک پل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں صحیح ڈھنگ سے زندگی گزارنے والے لوگ نہ صرف خود کے لیے اپنے اہل خاندان کے لیے بلکہ سارے معاشرہ کے لیے مشعل راہ بنے ہوئے رہتے ہیں تاکہ ان کی راہوں سے گزرنے والے لوگ اپنی منزل مقصود پر بلا کسی رکاوٹ کے پہنچ سکیں کسی نے صحیح کہا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو نہ تو حالات ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں

اور نہ ہی وقت ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ زندگی مختلف النوع خصوصیات سے عبارت ہے اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں زندگی کے صبح و شام کئی موسم سے استفادہ رہتے ہیں اور ایسے ہی لوگ زندگی کا صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں جو زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہوتے ہیں جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ زندگی کس طرح گزاری جائے زندگی کی قدر و قیمت کیا ہے وہ ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خود ان کے لیے اور معاشرہ کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے خاص طور پر ایسے لوگ جو اپنی زندگی کو پُر مسرت لمحوں سے ہم کنار کرتے ہیں وہ معاشرہ اہمیت کے حامل رہتے ہیں ان کے وجود کی روشنی معاشرہ کو جگمگاتی رہتی ہے خوشی و مسرت کا اہتمام لے کر آتی ہے۔ اس قسم کی مختلف النوع خصوصیات کی حامل حیدرآباد کی ایک ایسی شخصیت جنھیں ہم سب سفیر اردو بمقام جدہ سعودی عرب کہہ سکتے ہیں۔ کوئی کہے نہ کہے میں تو کہوں گا اور میرا تجربہ بتاتا ہے کہ عارف قریشی نے زبان و ادب کے لیے ربایہ غیر میں ایسے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ عارف قریشی تقریباً ۳۰ برس سے جدہ (سعودی عرب) میں مقیم ہیں ان ۲۵ برسوں میں انھوں نے جدہ میں کئی علمی و تہذیبی، شعری و ادبی محفلوں کا انعقاد عمل میں لایا۔ عارف قریشی اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ اردو آرٹس کالج (اردو ہال) میں بی اے کے طالب علم رہے جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کی ڈگری لی۔ اپنی ذاتی کوششوں سے اپنی زندگی کو معاشی آسودگی دینے کے لیے جدہ (سعودی عرب) میں ملازمت اختیار کر لی۔ اپنے معاشی حالات کو بہتر سے بہتر بنایا۔ عارف قریشی نے صرف روپیہ کمانے میں ہی اپنا وقت صرف نہیں کیا بلکہ

انہوں نے علمی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا بھی آغاز کیا۔ ان برسوں میں عارف قریشی نے بے شمار تہذیبی و ثقافتی تقاریب کا اہتمام کیا۔ وہ جدہ کے ایک حیدرآبادی مسلم سربرآوردہ شخصیت کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں جدہ کی اہم شخصیتوں سے ان کی رسم و راہ ہے ان کے روابط کا دائرہ صرف ہندوستانی، پاکستانی اور دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ انہوں نے سعودی عرب کے شیوخ اور سعودی باشندوں سے بھی اپنے مراسم قائم کیے، روابط بڑھائے۔ عارف قریشی جدہ میں حکومت کے سربراہوں کی نظروں میں بھی رہا کرتے ہیں خاص طور پر حکومت ہند کے عہدہ داروں، سفیر ہند برائے سعودی عرب سے ان کے مراسم نے ان کی تہذیبی شخصیت کو چمکانے میں اہم رول ادا کیا ہے عارف قریشی انڈین ایمبیسی کے اسٹاف سے بھی مخلصانہ روابط رکھتے ہیں جب کبھی حکومت ہند کے عہدہ دار [illegible] پروگرام ترتیب دینا چاہتے ہیں یا سعودی عرب میں ان کے لیے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو دیگر نمائندہ ہندوستانیوں میں عارف قریشی بھی شامل رہتے ہیں عارف قریشی اس طرح کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایک رکن بھی رہتے ہیں ان سے ضروری مشورہ حاصل کیا جاتا ہے عارف قریشی کو مشاعروں اور محفل موسیقی کے اہتمام کرنے کا بے حد شوق ہے سال میں ایک دو پروگرامس ضرور منعقد کرتے ہیں۔ ذاتی طور پر بھی احباب کی مشاورت و تعاون کے سبب بھی۔ جامعہ عثمانیہ سے اپنی وابستگی کے اظہار کے لیے اور اس سے اپنی [illegible] وابستگی کی وجہ سے بھی انہوں نے جدہ میں بزم عثمانیہ جدہ قائم کی۔ بزم عثمانیہ جدہ کے زیر اہتمام عارف قریشی نے بے شمار پروگرامس پیش کیے یہاں نہ صرف یہی بلکہ بڑے بڑے مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے

رہے ہیں اور محفلِ موسیقی بھی آراستہ کرتے رہے ہیں جو حضرات عمرہ کے سلسلے میں جدہ آتے ہیں اگر ان کا تعلق کسی تہذیبی و ادبی ادارے سے ہو تو ان حضرات کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کے لیے محفل آراستہ کرتے ہیں عارف قریشی " انڈین سوشیل ویلفیر اسوسی ایشن کے سرپرست بھی ہیں جس کے ذریعہ انھوں نے کئی علمی اداروں کی رقمی امداد کی ہے۔ جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو کئی کارِ خیر اپنی موجودگی میں انجام دیتے ہیں اور وہ اگر نہیں آئیں تو کچھ ایسا انتظام کرتے ہیں کہ مستحق اداروں کی مدد کی جاتی رہے۔ عارف قریشی سے میری شخصی ملاقات آج سے ۲۰ برس پہلے طنز و مزاح کے نامور شاعر بوگس حیدرآبادی کی معرفت ہوئی۔ بوگس حیدرآبادی اردو آرٹس کالج میں ان کے ہم جماعت تھے چونکہ عارف قریشی طالب علمی کے زمانے سے ہی تہذیبی و ادبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے اس وجہ سے انھوں نے جدہ پہونچنے کے بعد بھی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔ عارف قریشی نے عظیم الشان پیمانے پر مشاعرے بھی منعقد کیے اور محفلِ موسیقی کا بھی انتظام کیا۔ اس طرح کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اپنی انجمنوں سے ہٹ کر وہ انڈین ایمبیسی اسکول جدہ کے زیرِ اہتمام ہونے والے مشاعروں کی مشاورتی کمیٹی کے ایک رکن بھی رہے ہیں ان کے مشاعروں میں ہندوستان اور پاکستان کے تقریباً تمام نمائندہ شعرا ... شرکت کر چکے ہیں عارف قریشی کی دعوت پر میں دو دفعہ جدہ کے مشاعرہ میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے ۴۰۰ سالہ جشنِ حیدرآباد تقاریب سنہ ۱۹ء میں بھی شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے شاعروں میں میرے علاوہ حمایت اللہ، علی الدین نوید، بوگس حیدرآبادی، صبغۃ اللہ بھیاٹ، طالب خوندمیری نے بھی شرکت کی تھی عارف قریشی ۔ ۴۰۰ سالہ جشنِ حیدرآباد

کے سلسلے میں بھی سرگرم عمل رہے۔ جدہ میں نہایت شاندار پیمانے پر جشن
حیدرآباد تقاریب ہوئیں جن میں عابد علی خان صاحب، محبوب حسین جگر
ہاشم علی اختر، سلطان صلاح الدین اویسی سے نے شرکت کی تھی۔

عارف قریشی نے بزم عثمانیہ کے زیر اہتمام منعقد کیے جانے والے مشاعروں
کے سلسلے میں ادبی میگزین بھی شائع کیے ہیں یہ میگزین حیدرآباد
میں طبع ہوئے۔ میگزین کی ترتیب و تزئین اور اس کی صورت گری
کے مراحل میں میں نے عارف قریشی کا ساتھ دیا۔ عارف قریشی کی شخصی
دلچسپی سے حیدرآباد کے شاعروں کے نعتیہ کلام پر مشتمل کتاب قصیدات رسول
کے نام سے شائع ہوئی۔ جس میں ہر شاعر کی ۴،۴ نعتیں شامل ہیں اس
مجموعہ کی ترتیب میرے ذمہ تھی اس کے علاوہ اس کتاب سے قبل مرزا
شکور بیگ کے نعتیہ کلام کی کتابت کے مرحلے سے طباعت کے مراحل تک
میں نے مکمل تعاون کیا۔ یہ کتاب میری زیر نگرانی شائع ہوئی۔ بزم عثمانیہ
جدہ کے زیر اہتمام حیدرآباد کے مشہور شاعر مومن خان شوق کا مجموعہ کلام
کرن کرن اجالا بھی شائع ہوا اس کی اشاعت بھی میرے ذمہ تھی۔

۱۹۹۸ء میں عارف قریشی نے بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے میری منتخب
غزلوں پر مشتمل ایک مجموعہ گلفشاں کے نام سے شائع کیا۔ عارف قریشی
جب بھی حیدرآباد آتے ہیں کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔
ان کے اعزاز میں ہمارے شہر میں کچھ ادبی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی ہیں۔
وہ علمی و ادبی اداروں کی اعانت کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں

میں نے ادارہ میرا شہر بمبئی لوگ کے علاوہ ایوان پرنس معظم جاہ کے مشاعرہ میں عارف قریشی کو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا تھا۔ حیدرآباد کے شاعروں میں رئیس اختر نہ صرف ان کے پسندیدہ شاعر ہیں بلکہ ان کے عارف قریشی کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم ہیں سیاست اخبار سے ان کے دیرینہ مراسم ہیں حیدہ کی علمی، ادبی و تہذیبی تقاریب کی رپورٹ سیاست کے لیے روانہ کرتے ہیں ان کی تحریریں اہتمام سے شائع ہوتی ہیں۔ زاہد علی خان صاحب سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں عارف قریشی نے سیاست اخبار کے لیے اپنی بے شمار تحریریں روانہ کیں جو اشاعت پذیر ہوئیں۔ عارف قریشی نہایت صاف گو، پاک و صاف، ذہن و فکر کے مالک ہیں، مخلص، بامروت شخص ہیں انسانی رشتوں کے قدر دان ہیں۔ مہذب و تہذیب یافتہ لوگوں کی صحبتوں میں رہتے ہیں ان کے احباب میں مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں عارف قریشی ایک پارہ صفت انسان ہیں اور اپنی فعالیت سے معاشرہ میں ہلچل مچاتے رہتے ہیں خود بھی سرگرم عمل رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی مصروف رکھتے ہیں عارف قریشی عزت و شہرت سے نوازے جانے کے باوجود، غرور و تکبر جیسی محرکات سے مبرا ہیں، دین دار نیک دل، انسانیت نواز اور مخلص ترین انسان ہیں، انہیں اپنی زبان، اپنی تہذیب سے والہانہ تعلق ہے جس کا ثبوت اکثر و بیشتر مختلف نوعیت کے ادبی و تہذیبی پروگراموں کے انعقاد سے دیا کرتے

ہیں ۔ عارف قریشی معاشی اعتبار سے مستحکم ہیں ان کے گھر کا ماحول مشرقی تہذیب کا آئینہ دار ہے مہذب معاشرہ کی نمائندہ شخصیت ہیں جدہ میں قدیم نامور عثمانین سعید بن محسن باعجز ال کی تعظیم و تکریم میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے ۔ بزم عثمانیہ جدہ اُردو ویلفیر سوسائٹی کے وہ سربراہ ہیں جدہ میں ادبی و تہذیبی تقاریب کے علاوہ مشاعروں کے انعقاد کے سلسلہ میں ان کی سرپرستی حاصل رہتی ہے سعید صاحب کی ۔ عارف قریشی کی سرگرمیوں سے نہایت مطمئن رہتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں حیدرآباد سے متعلق کوئی خاص بات ہوتو وہ مجھ سے فون پر معلومات حاصل کر لیتے ہیں سلسلۂ خط و کتابت بھی جاری ہے میری نظر میں گذشتہ زائد از ۲۵ برسوں سے جس انداز سے عارف قریشی نے جدہ میں ادبی و تہذیبی (شاعری ۔ موسیقی) کی محفلوں کا اہتمام کیا ہے کسی اور حیدرآبادی نے نہیں کیا اسی لیے میں انہیں سفیر اُردو برائے جدہ سعودی عرب کہتا ہوں میری دُعا ہے کہ خدا عارف قریشی کی عمر دراز کرے اور اُن سے اسی طرح زبان و ادب کا کام لیتا رہا ۔ مجھے اس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ عارف قریشی نے مجھے حیدرآباد کے شاعروں میں زیادہ اہمیت دی ۔ مجھ پر بھروسہ کیا ۔ ادبی و تہذیبی کاموں کے سلسلے میں اعتماد کیا ۔ عارف قریشی کی رواں دواں شخصیت کی کرشمائی ادبی سرگرمیاں ۔ مجھے یقین ہے کہ اسی انداز سے جاری رہیں گی پورے اعتماد و تازگی کے ساتھ

عبدالرحیم آرزو

(ممتاز قانون داں۔ نامور شاعر، معتبر شخصیت)

جب کبھی کسی دوست کے بارے میں لکھنے کو جی چاہتا ہے تو خیالات کے طوفان امنڈنے لگتے ہیں اور جب تھم تھم کر قلم چلنے لگتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آبشار اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں سے نیچے اترتے ہوئے دھیرے دھیرے زمیں بوس ہو رہا ہے (دھرتی کے قدم چوم رہا ہے) لیکن روانی کی یہ لہریں ہمیشہ تابندہ و زندہ رہتی ہیں تب ہی تو کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں حیات آفریں مناظر جلوہ گر ہوا کرتے ہیں — ہر دور کے منتخب لوگوں میں کچھ ایسے منفرد لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی شرافت، اصول پسندی، نیک نفسی، میانہ روی، بردباری، رواداری اور وضع داری کی وجہ سے یاد کیے جاتے رہیں گے جو لوگ اپنی زندگی کے صبح و شام کو ایک خاص نہج اور خاص طرح داری کی نذر کرتے ہیں وہ اپنی بہترین خدمات، عمدہ کارناموں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب انسانی تہذیب کی تاریخ میں نہ صرف اپنا ایک اعلیٰ و ارفع مقام

بنا لیتے ہیں بلکہ زندگی بھر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ اپنے وجود کا احساس
دلاتے رہتے ہیں۔ کئی موسم آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن مستقل مزاجی
ثابت قدمی، حوصلے اور جرأت کے ساتھ جینے والے لوگ اپنی روش، اپنے
رویے، اپنے سلوک اور اپنی رسم و راہ سے معاشرہ کے ہر پہلو کو اجالوں کی
سوغات سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے
لیے کم اور دوسروں کی بہتری کے لیے زیادہ سرگرم عمل رہا کرتے ہیں جن کی زندگی
کا ایک ایک لمحہ نور و نغمات ہم زبان بن جاتا ہے اور نسیم صبح کی پہلی انگڑائی
کی طرح سارے ماحول کو تر و تازگی اور شگفتگی کی دولت سے مالا مال کر دیتا
ہے۔ انسانی رشتوں کی قدر کرنے والے لوگ، قدرت کا ایک عظیم عطیہ سمجھے
جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے شب و روز انصاف پسندوں اور احسان کرنے
والوں کے درمیان گزرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک ممتاز عثمانین
ماہر قانون اور نامور شاعر عبدالرحیم آرزو بھی ہیں۔ عبدالرحیم آرزو عہد
ساز کے ان روشن ضمیر شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں
عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا رہے گا۔ عبدالرحیم آرزو جیسے مخلص نیک
پاک و صاف، بے داغ شخصیتوں کے تذکرہ سے ہی فکر و خیال کے بے شمار گوشے
روشن ہو جاتے ہیں اور ایک ایسی شفاف شخصیت نظروں کے سامنے ابھر کر
آ جاتی ہے جس کا وجود حیات انسانی میں سرچشمۂ فیضان بنی ہوئی ہے۔
عبدالرحیم آرزو بلا شبہ ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک ہیں جن کی دوستی
شرافت اور انسانی و تہذیبی خدمات کو بھلایا نہ جا سکے گا۔ تہذیبی تاریخ

گواہ ہے کہ کچھ لوگوں کی شناخت انسانی قدروں پر مشتمل معاشرہ کا ایک رنگین حصہ بن کر رہ جاتی ہے۔ عبدالرحیم آرزو کی جن خوبیوں، اچھائیوں اور بلند ترین قدروں کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ میرے قلبی تاثرات کا ایک معمولی عکس جمیل ہے جو برسوں سے میرے دل و دماغ میں پرورش پا رہا تھا۔ میرا دل کہتا ہے عبدالرحیم آرزو سے جس کسی شخص کے مراسم رہے ہیں وہ لوگ خوش نصیبوں کی پہلی صف میں نظر آئیں گے مجھے بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں بھی ان کے دوستوں کی پہلی فہرست میں اپنے صحیح مقام پر موجود ہوں۔ عبدالرحیم آرزو اگرچہ گلبرگہ میں رہتے ہیں لیکن مجھے ایسا ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد میں ہیں۔ یہاں کی عطر اور خوشگوار فضاء سے وابستہ ہیں ان میں قدیم عثمانین کی خوبیاں نظر آتی ہیں شائستگی، رکھ رکھاؤ اعلیٰ ظرفی اور رواداری ان کی طبیعت کا خاص وصف ہے گلبرگہ نے ہر دور میں جواہر پاروں کو جنم دیا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے زیر سایہ بے شمار رہنے والی صاحب عرفان شخصیتیں کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہو رہی ہیں شہر گلبرگہ علمی و دینی، فلاحی و تہذیبی، شعری و ادبی اقدار سے جڑا ہوا ہے اگرچہ آج بھی مختلف شعبۂ حیات سے وابستہ لوگ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں لیکن ان تمام لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی انفرادیت کے ساتھ معاشرہ میں اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ گلبرگہ شریف کے ذی اثر، پروقار، قابل تعریف صاحبان علم و آگہی اور دانشوران شعر و ادب میں عبدالرحیم آرزو کا بھی شمار

ہوتا ہے جو بلا تخصیص مذہب و ملت باشعور لوگوں میں توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ایسے لوگ جو اپنی زندگی کے ایک ایک پل کو انسانی خدمات کے لیے وقف کرتے ہیں وہ اپنے دور کا ایک عظیم سرمایہ سمجھے جاتے ہیں ۔ عبدالرحیم آرزو سے میرے دوستانہ مراسم کی عمر (یہی ۳۰ تا ۳۵ برس کی ہوگی) میں نے اپنی دوستی کے اس عرصہ میں ہمیشہ تر و تازگی محسوس کی ہے جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی ہے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لب و لہجہ کا سارا اثر میری شخصیت میں ضم ہوتا جا رہا ہے شخصی ملاقاتوں میں وہ اپنی لے ریا مسکراہٹ اور والہانہ وابستگی کا بھرپور احساس دلاتے ہوئے گرم جوشی کا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ عبدالرحیم آرزو اپنے دوستوں میں اپنی پاکیزہ طبیعت، بے لاگ رشتۂ باہم اور پُر خلوص جذبۂ یگانگت کی وجہ سے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ ہمارے مراسم کی بنیاد ہی بے لوث دوستی کی اساس پر قائم ہے مجھے یاد نہیں ہے کہ میری ان سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی خیال آتا ہے کہ پہلی ملاقات گلبرگہ میں محلہ تیلی الاوہ میں ہونے والے نعتیہ مشاعرہ میں ہوئی تھی اور کچھ برسوں تک ہر سال اسی سالانہ مشاعرہ میں ہوتی رہی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے [illegible] برس پہلے ممتاز صحافی، پاسبانِ اردو زبان و تہذیب جناب عابد علی خاں صاحب مدیر "سیاست" کے اعزاز میں گلبرگہ میں ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا تھا تہنیتی تقریب کے فوری بعد بڑے پیمانے پر مشاعرہ ہوا تھا مرزا اوج یعقوبی کنول پرشاد کنول، خیرات ندیم، امین احمد تاب اور راقم الحروف (صلاح الدین نیر)

۔نے بھی شرکت کی تھی وہ شاندار محفل (شعر و ادب، شہریان) گلبرگہ ٹرسٹ ایل، یادگار محفل تھی اس کے بعد بھی بعض مشاعروں میں عبدالرحیم آرزو نے مجھے مدعو کیا تھا جب کبھی اگلی نسلوں کے سامنے گلبرگہ کی ادبی و تہذیبی محفلوں کا ذکر رہے گا نوابان تغالیب کا تذکرہ بھی رہے گا نمائندہ شخصیتوں کے کارنامے (ان کی خدمات چاہے وہ کسی بھی شعبۂ حیات سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں) بھلائی نہ جا سکیں گے۔ ان محفلوں کے بعد ہمارے مراسم میں اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی ہم دوستی کی اس منزل پر ہیں جہاں روشنی کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔ عبدالرحیم آرزو صاحب جب بھی حیدرآباد آتے ہیں، ملاقات ہو ہی جاتی ہے اور اگر زیادہ مصروف رہیں تو فون پر نوازش گفتگو ہوتی ہے ہماری دوستی میں جہاں رشتوں کی مہک ہے وہیں سلسلہ پھولوں کا بھی ہے اور خوشبو کا سفر بھی (اس طرح بھرپور کیفیات کے ساتھ ہمارے مراسم جاری ہیں) عبدالرحیم آرزو کی شہرت ایک مہذب شہری اور ایک ذی وقار شخصیت کی حیثیت سے برقرار ہے ان کا رکھ رکھاؤ طرزِ تکلم اور ان کی شائستگی، ان کی فطرت کے عین مطابق ہے ان کی زندگی فیضِ جاریہ کی طرح نغمہ بار رہے۔ آرزو صاحب نے اپنی زندگی کے پُر بہار دور میں قوم و ملت اور علم و ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہیں، ایک با اصول آدمی ہیں سچائی کا دامن تھامے رہتے ہیں بڑے بڑے مرحلوں پر ثابت قدم رہ چکے ہیں وہ چاہتے ہیں زندگی سے وابستہ وہ لمحات جو مسرور اور خوشی کی منزل تک لے جاتے ہیں تا حیات ان میں باقی رہیں

تاکہ آس پاس کا ماحول ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان کی زندگی، فکر و خیال کی تازگی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ آرزو صاحب نے زبان و ادب تہذیب و ثقافت کو اتنا کچھ دیا ہے کہ ان کے سہارے ہی آن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ چہکتا رہتا ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو پھلتا پھولتا دیکھے۔ معاشرہ میں رنگ برنگی پھول کھلتے رہیں، سماج کا ہر پہلو جگمگاتا رہے اور وہ اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنی شرافت اور اپنی محبت کے ساتھ زندہ رہے۔ ایسے حالات سے بھی گزرتے رہے کہ جہاں صداقت پسندی، جرات و حوصلہ کی حکمرانی کارفرما رہتی ہے آرزو صاحب ہر مرحلہ سے کامیابی کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنی زندگی کے سفر میں جس قدر فراخ دل رہتے ہیں وہ اسی قدر مسرتوں سے ہم کنار رہتے ہیں جس شخص کے ہاں ایمان کی حرارت اور شرافت کی دولت ہو کبھی بھی محرومیوں کا شکار نہیں ہو سکتا۔ انسانی رشتوں کی قدر و قیمت ایک ایسا ہی شخص زیادہ جانتا ہے جو قدرت کی مہربانیوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتا ہے۔ عبدالرحیم آرزو ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو پورے اعتماد کے ساتھ انصاف کرتے ہیں آرزو صاحب کی تقریر سننے کا مجھے بار بار موقعہ ملا ہے جب وہ بولنے لگتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک پُر جوش دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے آرزو صاحب بہترین شاعر بھی ہیں جب شاعروں میں کلام سنانے ہیں تو اپنی شاعرانہ بھرپور کیفیت کا احساس دلاتے ہیں تحت میں شعر سنانے کا انداز بہت ہی پُر اثر اور باوقار رہتا ہے آرزو صاحب کا

ایک مجموعۂ کلام "اظہارِ آرزو" ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ شعری و ادبی دنیا سے گہری وابستگی کے باوجود وہ اپنی وکالت کی مصروفیات کی وجہ سے شعر و ادب کی سرگرمیوں کے لیے زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ آرزو صاحب کے دوستوں کی ایک مخصوص فہرست بھی ہے۔ سنجیدگی اور خوشگوار لب و لہجہ ان کا مزاج ہے۔ آرزو صاحب جیسے شریف النفس انسان سے گفتگو کرنے میں لطف آتا ہے۔ اس طرح کے وضع دار، بردبار اور مہذب لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ اچھے دوستوں کی رفاقت قدرت کا بہت بڑا کرم ہے۔ وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے دوستوں کی بڑی تعداد تو ہوتی ہے لیکن وہ اپنے کچھ خاص دوست بھی رکھتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ جو دیانت داری کے ساتھ دوستی نبھاتے ہیں ان میں عبدالرحیم آرزو بھی ہیں۔ آرزو صاحب کی زندگی کا ہر لمحہ روشنی، صداقت، مروت اور انسانی رشتوں کی پاسداری کرنے والا ایک خوشگوار تحفہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک کامیاب و سرخرو رواداری انسان کی طرح جی رہے ہیں۔ خدا انھیں سلامت رکھے۔

وہاب عندلیب

(فکر و آگہی کی شمعِ فروزاں۔ نامور ادیب و مقرر)

شعور و آگہی کی نعمتوں سے فیض یاب شخصیتیں جب عملی زندگی میں قدم رکھتی ہیں تو وہ ہر قدم پر نت نئے رنگ کے پھول کھلاتی رہتی ہیں اُن کی ہر سانس فرحت و انبساط کا پیغام لے کر آتی ہے اس طرح کے لوگ معاشرہ کے ہر قسم کے مثبت و منفی اثرات سے باخبر رہتے ہوئے ایک نئے انداز سے با عالمِ ہوش و حواس اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں ان کی آرزوؤں کی بکھری ہوئی کائنات کچھ اس طرح سمٹ جاتی ہے کہ جہاں کا ہر ذرہ حیات جاوداں کا مظہر بنا رہتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر موسم کی پہلی انگڑائی ساری کائنات کے لیے امن و سکون کا سامان مہیا کرتی رہے سارا ماحول نہ صرف روشنی سے ہم کنار رہے بلکہ گلِ شگفتہ کی مسکراہٹ کی طرح شاداں و فرحاں رہے سارے ماحول میں تازہ تازہ پھولوں کی خوشبو مہکتی رہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ

مایوسی اور نامرادی اپنے قدم پھیلا رہی ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اب خوشیوں کے دن ختم ہوتے جا رہے ہیں لوگ آپس میں اپنے قبضہ نہ طرزِ عمل کو برقرار رکھیں۔ اس طرح کی بے شمار ایسی باتیں ہیں جن کے درمیان رہ کر ہر سوال کا جواب دینے والی شخصیتیں ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں ممتاز دانشور وہاب عندلیب کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ دوسروں کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتے ہیں ہر ایک شخص کا چہرہ گل شگفتہ کی طرح مہکار ہے۔ لوگ آپس میں شیر و شکر کی طرح رہیں۔ آپس میں کسی بھی قسم کا بھید بھاؤ نہ رہے ہر ایک کی زندگی شفاف آئینہ کی طرح ہو۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ ہر شخص دوسروں کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے غموں میں بھی شریک رہے۔ لوگ آپسی اختلافات کو ختم کر دیں۔ مل جل کر رہیں اور ایک ایسی راہ کے مسافر رہیں جہاں پھول ہی پھول ہوں۔ خوشبو ہی خوشبو ہو جہاں ہر قدم پر اُجالوں کی سوغات بٹ رہی ہو۔ وہاب عندلیب اسی طرح کے حالات، اسی طرح کے ماحول کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا طرزِ حیات یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی نمائندہ شخصیت ہیں اُن کے دکھ رکھاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قابلِ اعتبار ہی نہیں خاندانی آدمی ہیں جس محفل میں بھی رہتے ہیں وہ ایک خوشگوار ماحول کے ضامن ہوتے ہیں اہلِ محفل اُن سے مل کر اُن سے گفتگو کرتے ہوئے خوشی و مسرت محسوس کرتے ہیں وہاب عندلیب ایک ایسی متحرک و فعال شخصیت کے حامل ہیں جو رواں دواں زندگی کا اعلیٰ نمونہ بنے رہتے ہیں شگفتہ مزاج رکھتے ہیں دوستوں، رشتہ داروں کے دُکھ درد میں برابر کے شریک رہنے میں اپنے خاندان

کے تمام افراد میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اپنے خاندان میں قابل احترام حیثیت رکھتے ہیں وہاب عندلیب کی زندگی کا زیادہ وقت علمی و ادبی مصروفیات میں گزرتا رہتا ہے اُن کے چاہنے والوں، اُن کے بہی خواہوں اور اُن کے احباب کا بہت بڑا حلقہ ہے شعر و ادب کی محفلوں میں ان کا وجود ایک ایسے روشن چراغ کی طرح ہے جس کی افادیت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے ان کی روشنی محدود نہیں ہے ان کا ہر شائستہ عمل خوشی و مسرت کے ماحول کو پروان چڑھانے سے دلچسپی رکھتا ہے وہاب عندلیب گلبرگہ کے علمی و ادبی حلقوں میں صف اول میں اپنا مقام رکھنے والے ایک ایسے دانشور ہیں جو ہر شائستہ محفل کے لیے ناگزیر سمجھے جاتے ہیں انھوں نے اردو زبان کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ (اور دے رہے ہیں) زائد از ۴۰ سال سے زبان و ادب کی دیانت داری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ بلا ناغہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اس وقت گلبرگہ کی چند معروف ترین منتخب شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ وہاب عندلیب کی ساری زندگی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے وقف ہو چکی ہے درس و تدریس کے برگزیدہ پیشے سے وابستہ رہے۔ بے شمار طلبا و طالبات کے ذہن و فکر کو پُر نور بنایا۔ وہاب عندلیب گلبرگہ میں اردو کی سرگرمیوں کو زندہ رکھتے ہیں پیش پیش رہتے ہیں وہاب عندلیب سے میری دوستی تقریباً ۴۰ برسوں سے ہے وہاب صاحب سے قلم کا رشتہ ہے انسانی قدر و قیمت کا رشتہ ہے مستحق لوگوں کی فلاح بہبود کے لیے معاون بنے رہنے کا رشتہ ہے خلوص و محبت کا رشتہ ہے فکر و آگہی کا رشتہ ہے ـــــ گلبرگہ کی ادبی و شعری محفلوں سے میرا تعلق زائد از ۴۰ برس

سے ہے۔ میں گلبرگہ میں بیسیوں ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شریک رہا ہوں۔ گلبرگہ کے میرے قریب ترین دوستوں میں عبدالرحیم آرزو، وہاب عندلیب اور محب کوثر ہیں۔ گلبرگہ کی محفلوں میں گلبرگہ والوں کے لیے شاید میری شاعری کی پہچان کا ذریعہ ۔ بٹلی الاوہ کے سالانہ نعتیہ مشاعرے میں جس کے بانی و روح رواں سحر قادری صاحب تھے وہاں حضرت عطا کلیانوی، عبدالرحیم آرزو، سلیمان خطیب، سرور مرزائی، ڈاکٹر راہی، صابر شاہ آبادی سے لازماً ملاقات رہتی تھی گلبرگہ میں عام مشاعروں کے علاوہ میں نے بعض مخصوص مشاعرے بھی پڑھے ہیں۔ وی جی ویمنس کالج گلبرگہ کے علاوہ بی بی رضا کالج کے مشاعرہ میں بھی شرکت کی ہے محترم بشیر النساء بیگم پرنسپل کالج تھیں۔ اُن دنوں ڈاکٹر لئیق صلاح بی بی رضا کالج میں اردو کی لکچرار تھیں۔ انھوں نے رئیس اختر اور میرا اپنے کالج میں خیر مقدم کیا تھا۔ ہم اس وقت گلبرگہ کے کسی مشاعرہ کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کی سرزمینِ پاک سے مجھے بھی عقیدت ہے کئی دفعہ میں نے بارگاہِ بندہ نواز میں حاضری دی ہے سجادہ صاحب سے بھی میری صاحب سلامت ہے روضۂ خورد کے مشاعروں میں بھی شریک رہا ہوں۔ عبدالرحیم آرزو کے زیرِ اہتمام ۲۵ برس پہلے ا زیلچان صاحب کے خیر مقدم کے سلسلے میں عظیم الشان پیمانے پر منعقدہ مشاعرہ میں بھی شریک رہا ہوں جشنِ سلیمان خطیب میں بھی شریک رہا ہوں جناب محبوب حسین جگر کی ہدایت پر میں کیونڑے کا بن کی کتابت وطباعت کے مرحلوں میں معاون رہا ہوں۔ کتاب کی اشاعت کے دوران بعض فنی امور پر گفتگو کے لیے مجھے خطیب صاحب کو حیدرآباد بلانا پڑا تھا۔ سرزمین گلبرگہ سے میرا قدیم رشتہ ہے

میرے بہت سے رشتہ دار گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے دو بھانجے مشہور شاعر و ادیب پروفیسر جلیل تنویر اور وفار ریاض کے علاوہ رشید جاوید اور ڈاکٹر اکرام الدین بھی گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے ماموں زاد بھائی ڈاکٹر شفیع کچھ برس گلبرگہ میں رہے جو ان دنوں سعودی عرب میں ہیں۔ گلبرگہ کے یادگار مشاعروں میں ایک یادگار مشاعرہ وی جی ڈگری کالج کا بھی ہے یہ مشاعرہ گلبرگہ میں کسی بڑے مشاعرہ کے دوسرے دن صبح ۱۰ بجے رکھا گیا تھا وہاب عندلیب کی دعوت پر میں اور رئیس اختر مدعو تھے یہ بات ۱۹۷۵ء کی ہے اُسی زمانے میں میرا دوسرا مجموعۂ کلام "زخموں کے گلاب" شائع ہوا تھا اُس مشاعرہ کے سامعین میں صرف خاتون اساتذہ اور طالبات تھیں اُس مشاعرہ میں میری ایک ایسی لڑکی سے بھی شہ نشین پر ملاقات ہوئی جس کے ہاتھ میں میرا دوسرا مجموعۂ کلام "زخموں کے گلاب" تھا وہ لڑکی شہ نشین پر میرے قریب ہی بیٹھی رہی اور اُس نے مجھ سے میری کتاب پر آٹوگراف لیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں حیدرآبادی ہوں لیکن شادی کے بعد گلبرگہ کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ میں نے حیدرآباد میں آپ کو کئی مشاعروں میں دیکھا ہے۔ سنا ہے لیکن ملاقات نہیں ہوئی تھی اب مجھے موقع مل گیا ہے۔ وہاب عندلیب نے مجھے اور رئیس اختر کو الند شریف کے ایک مشاعرہ میں مدعو کیا تھا جبکہ وہ وہاں کسی اسکول یا کالج میں اردو کے استاد تھے۔ وہاب عندلیب بامروت، پر خلوص، باوفا اور دوستی کے قابل انسان ہیں۔ ہماری رسم و راہ ہمیشہ خوشگوار ماحول میں سرسبز و شاداب رہی۔ وہاب عندلیب جب بھی حیدرآبا

آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہوتی ہے اور اگر وہ سیاست آفس آتے ہیں تو توجہ سے ملاقات کرتے ہیں نہایت نفیس، شگفتہ مزاج، طرح دار، سیدھی سادھی طبیعت کے مالک ہیں ان کے ادبی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے حیدرآباد کی بعض ادبی جلسوں کو انہوں نے اپنی بہترین خطابت اور مضامین سے مستفید کیا ہے وہاب عندلیب کو میں نے کبھی اپنے سے جدا نہیں سمجھا۔ میں گلبرگہ کے تمام اہل قلم حضرات کو حیدرآباد کی ادبی محفلوں کا ایک حصہ سمجھتا ہوں

وہاب عندلیب ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء میں بہ مقام گگن مڑی ضلع گلبرگہ میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم کیا۔ بی ایڈ بھی عثمانیہ یونیورسٹی سے ہی کیا۔ ایم اے اردو کرناٹک یونیورسٹی سے کیا۔ پرنسپل گورنمنٹ پری یونیورسٹی کالج بہال ضلع گلبرگہ رہ چکے ہیں خواجہ ایجوکیشنل سوسائٹی گلبرگہ کے ڈائرکٹر ہیں۔ معتمد مرکز ثقافت اسلامی گلبرگہ کے علاوہ انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں انجمن ترقی اردو گلبرگہ کے بانی سکریٹری ہیں صدر انجمن ترقی اردو گلبرگہ بھی رہ چکے ہیں۔ گلبرگہ کی کئی علمی و ادبی انجمنوں سے ان کی وابستگی ہے۔ اس کے علاوہ مدیر سالنامہ انسان گلبرگہ، معتمد اردو ہندی لٹریری سرکل کالج آف ایجوکیشن حیدرآباد، بانی مولانا آزاد لائبریری جمکھنڈی ضلع گلبرگہ۔ کنوینر قمری کوچنگ سنٹر گلبرگہ کے ریاستی و مرکزی حکومت سے متعلق اردو نصابی درسی کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔ کرناٹک اردو اکیڈیمی کے رکن تھے۔ ان کے مضامین خاکے کا مجموعہ قیمت ذات ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ تحقیق و تجزیہ (مضامین کا

مجموعہ ۱۹۹۹ء اور افکار و نظریات ۱۹۹۲ء میں مرتب کیا۔ کرناٹک کی مختلف ادبی انجمنوں نے انہیں اعزازات سے نوازا۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے زبان و ادب کی مجموعی خدمات کے اعتراف میں اعزاز دیا گلبرگہ انسٹی ٹیوٹ کالج حیدرآباد کے بانی معتمد ہیں۔ بانی معتمد بزم فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی رہے۔ اُن کی زیر ترتیب کتابوں کے نام یہ ہیں۔ گفتار و کردار (خاکے) خواجہ بندہ نواز حیات اور افکار۔ مسلم رہنما اور آزادیٔ ہند (ادب اطفال)۔ ہم اُردو دوستوں کے لیے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ وہاب عندلیب کرناٹک اُردو اکیڈمی کے صدر نشین ہیں۔ میری دُعا ہے کہ خدا اس طرح کے میرے دوستوں کو اعلیٰ و ارفع مقامات عطا کرے۔

محب کوثر

(بہترین دوست، بامروت انسان، نامور شاعر، ناظم مشاعرہ)

مشاعروں کی دنیا میں دوہری صلاحیت رکھنے والی شخصیتیں ہمیں بہت کم ملیں گی۔ لیکن بہت کم شخصیتوں میں جو ... کائنات شعر و ادب میں چھائے ہوئے ہیں ان میں ایک اہم نام محب کوثر کا بھی ہے محب کوثر جہاں بہترین شاعر ہیں وہاں اعلیٰ درجہ کے ناظم مشاعرہ بھی ہیں ہم نے بعض ایسے ناظم مشاعرہ کو بھی دیکھا ہے جو اپنی غیر سنجیدہ کامیڈی غیر معتبر ... اور غیر موزوں الفاظ کے استعمال سے مشاعروں کی اعلیٰ روایات کو جو تہذیبی اقدار کا سرچشمہ بھی جاتی ہیں نقصان پہنچایا ہے بھونڈے، غیر معیاری تہذیب سے عاری لطائف کے ذریعہ مشاعروں کی فضا کو بوجھل بنا ڈالا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسے رکیک اور لچر لطیفے بھی ہمیں سننے میں آتے ہیں جو ہمارے مشاعروں کی اعلیٰ روایات و تہذیبی اقدار کے قطعی مغائر ہوتے ہیں ـــ محب کوثر کی تجربہ کار اور کامیاب ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے اس لیے بھی قدر کی جاتی ہے کہ وہ بہ ذات خود تہذیبی

انداز کی مکمل پاسداری کرتے ہیں۔ نہایت شائستگی، شگفتگی اور پُراثر انداز میں مشاعروں کی کارروائی چلاتے ہیں۔ خدا نے اپنی خاص مہربانی سے اُن کی آواز کو اتنا پُراثر بنادیا ہے کہ وہ ساری محفل پر چھا جاتے ہیں اُن کی آواز سماعت کے لیے کبھی بار نہیں بنی۔ دورانِ مشاعرہ کبھی کبھی موزوں اور برجستہ اشعار سے بھی مشاعرہ کی فضا کو پُراثر بنا دیتے ہیں ان کی نظامت کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہایت دیانتداری کے ساتھ شعراء کا تعارف کرواتے ہیں۔ کبھی بھی کسی شاعر کے تعارف میں غلو سے کام نہیں لیتے۔ شاعر کی شاعرانہ حیثیت و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوبصورت، موزوں، پُراثر لفظوں اور پُروقار لب و لہجے میں تعارف کرواتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی میں بھی ان کی زبان نہیں لڑکھڑاتی۔ بڑے سے بڑے مجمع کا بھی ان کی شخصیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ نہایت سکون کے ساتھ با اعتماد لب و لہجے کے ساتھ مشاعرہ کی کارروائی چلاتے ہیں۔ محب کوثر تعلیم یافتہ، مہذب و پُروقار شخصیت کے حامل ہیں ملک بھر کے دانشوروں سے ان کی رسم و راہ ہے سیاسی و غیر سیاسی لوگوں سے بھی ان کے روابط ہیں۔ معاشرہ کی ایک ایسی معزز شخصیت ہیں جن سے مل کر، جن سے گفتگو کرتے ہوئے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے، آدابِ گفتگو، اندازِ تخاطب اور اپنے شائستہ طور و طریق کے سبب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بے حد مقبول ہیں۔ محب کوثر نہایت ہمدرد اور مخلص ترین انسان ہیں۔

پہلی ہی ملاقات میں کوئی بھی اجنبی اُن کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنے حسن سلوک اور شگفتہ و شائستہ رہن سہن کی بدولت مخاطب کو متاثر کرتے ہیں اگر کوئی شخص ان کے دائرہ روابط میں ایک دفعہ آجاتا ہے تو وہ ہر ممکنہ طور پر اپنی دوستی اور مراسم کو نبھاتا ہے محب کوثر کی ساری زندگی آئینہ کی طرح پاک و شفاف ہے ان کا ظاہر و باطن بیسا کھرے اور صاف ستھرے و شان ہیں۔ ایمانداری، دیانتداری ان کی طبیعت کے اہم پہلو ہیں انہوں نے بے شمار ضرورت مندوں اور اہل غرض لوگوں کی مدد کی ہے اور یہ سلسلۂ فیضان آج بھی جاری ہے تمام شاعر برادری سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں شاید ہی کوئی شاعر ان کا ہم خیال نہ بن سکا ہو۔ محب کوثر کے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے لیکن میں آج تک غنطیعت سے یہ طے نہ کر سکا کہ کونسا دوست اُن کے کتنے قریب ہے ان کے احباب اُن سے کچھ اس طرح ملتے ہیں کہ یہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی کیا قدر و منزلت ہے محب کوثر کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد حیدرآباد میں بھی ہے حیدرآباد کے تمام ادبی حلقے ان کی شاعرانہ عظمتوں کے معترف ہیں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے دل سے قدرداں ہیں۔ محب کوثر نے حیدرآباد میں بیسیوں مشاعرے پڑھے ہیں جن میں کل ہند مشاعرے بھی شامل ہیں۔ انہوں نے شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے دارالسلام میں ہونے والے کل ہند نعتیہ مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ حیدرآباد ریڈیو، حیدرآباد دوردرشن کے علاوہ ای ٹی وی

کے مشاعروں میں بھی اپنا کلام سنا چکے ہیں۔ محبوب کوثر مشاعروں کے بھی ایک کامیاب
شاعر ہیں ادبی جلسوں میں بھی اپنے معلومات آفریں خیالات سے مستفید
کرتے رہتے ہیں بہت سے شاعروں کی طرح سیاست اخبار سے بھی ان
کا دیرینہ رشتہ ہے سیاست میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے شہر کے
دیگر اخباروں منصف، رہنمائے دکن اور عوام میں بھی ان کے کلام سے
ہم محظوظ ہوا کرتے ہیں۔ محبوب کوثر زائد از ۴ برسوں سے
شعر کہہ رہے ہیں ابتدا ہی سے ان کے شاعرانہ تیور نے شعری محفلوں کو
اپنی گرفت میں لے لیا ہے کلام تحت میں سناتے ہیں اور چھا کر سناتے ہیں
ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلام کلاسیکی شعری اقدار کا ترجمان
ہوتے ہوئے بھی عصری مسائل سے قریب رہا ہے۔ بلکہ ان کی اکثر غزلیں
حالاتِ حاضرہ اور عصری مسائل کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں۔ معاشرہ کا ہر
پہلو خاص طور پر جو عوام کی توجہ چاہتا ہے اس پر برجستہ شعر کہتے ہیں محبوب کوثر
کو مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے لیکن صنفِ غزل سے
ان کا گہرا رشتہ ہے ان کے ہاں بعض معرکۃ الآرا غزلیں بھی ملتی ہیں جو
ملک کے حالات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ بے خوف نڈر شاعر کی حیثیت
سے اپنے خیالات کو بغیر کسی ذہنی تحفظات کے منظرِ عام پر لاتے ہیں۔ محبوب کوثر
یکم اپریل ۱۹۳۹ء کو اپنے ننھیالی قصبہ کوسگی تعلقہ کوڑنگل ضلع محبوب نگر
کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے ان کا آبائی وطن کوڑنگل ہے مگر
گلبرگہ کو وطنِ ثانی بنا لیا ہے ان کے والد حضرت خواجہ نظام الدین صاحب

پولیس سے وابستہ تھے جنھوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران
جام شہادت نوش کیا۔ محب کوثر کی ابتدائی تعلیم خانگی طور پر گلبرگہ
میں ہوئی۔ جماعت ہفتم تک مدرسہ وسطانیہ آصف گنج گلبرگہ میں
زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد گلبرگہ چھوڑنا پڑا۔ مدرسہ فوقانیہ
کوڑنگل میں ان کے اساتذہ مولوی محمد عبدالرحیم درد، مولوی محمد خواجہ نسیم
مولوی سعید الدین سعید کی سرپرستی نے ان کے ذوق شعر کو جلا بخشی اور دکن
کے کہنہ مشق استاد شاعر دامودر ذکی ٹھاکر کے حلقۂ تلامذہ میں شامل
ہو گئے۔ پنڈت جی کے انتقال کے بعد حضرت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے تلامذہ
میں شامل ہو گئے۔ کمپاؤنڈنگ میں ڈپلوما کر کے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کرناٹک
کے محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ رہ کر بحیثیت سینئر فارماسسٹ
وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ان کا کلام ۱۹۶۰ء سے ملک کے
معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہو رہا ہے ملک کے مختلف مقامات
پر منعقد ہونے والے کل ہند مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں اور کئی کل ہند مشاعروں
کی نظامت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں آکاش وانی گلبرگہ کے شعبۂ اردو سے
بھی وابستہ رہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ایاغ تازہ ۱۹۸۹ء میں شائع
ہوا۔ جس کو مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے انعام سے نوازا ہے۔ گلبرگہ کی
کرناٹک اردو اکاڈمی نے ان کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں اکتوبر
۱۹۸۹ء میں دو روزہ جشنِ محب کوثر منعقد کر کے گیارہ ہزار روپے کے
تھیلی زر سے نوازا۔ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام "سود و زیاں" اگست ۱۹۹۷ء
میں شائع ہوا۔

محسن کمال

(معروف شاعر، ممتاز صحافی و مقرر، سیاسی قائد)

بہمنی، برید شاہی، آصف جاہی پادشاہوں کی سرزمین بیدر ہر دور میں ہر اعتبار سے زرخیز رہی ہے اس سرزمین کے دانشوروں، باکمال شخصیتوں، ہنرمندوں، شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور مختلف شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ ہر زمانے میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز رہے ہیں چاہے وہ مسند نشینی کا سلسلہ ہو کہ فرش نشینی کا معاملہ۔ بعض لوگ اپنی منفرد پہچان کے ساتھ اپنے ناقابل فراموش کارناموں کی وجہ سے آبروئے سرزمین بیدر رہے ہیں۔ باصلاحیت لوگوں کا تسلسل باقی تو ہے لیکن حالات کے لحاظ سے وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ شہرت کے حامل رہے ہیں۔ علمی و ادبی دنیا میں جو لوگ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اُن میں ایک اہم نام محمود گاواں کا بھی ہے۔ بیدر کی سیاسی، ادبی و تہذیبی تاریخ بے شمار واقعات سے معمور ہے۔ عصر حاضر میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے تاریخی ورثے

کے پاسبان بنے ہوئے ہیں۔ ایک نسل کے طور پر اپنی ذمہ داریوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ میں نے اپنی ۴۵ سالہ شاعرانہ زندگی میں سرزمینِ بیدر کے نامور استاد شاعر رشید احمد رشید کے بعد رئیس اختر اور محسن کمال کی شاعرانہ اعلیٰ صلاحیتوں سے زیادہ واقف ہوں جنھوں نے اپنے فکر و خیال کی روشنی سے زائد از ۴ دہوں سے بیدر کے حوالے سے ادبی دنیا میں اپنی ایک مخصوص پہچان بنائی ہے۔ ان دونوں شاعروں کے بعد تین خاتون اہلِ قلم سے بھی میں واقف ہوں بلکہ ان کی شاعرانہ و ادیبانہ صلاحیتوں کا معترف بھی۔ ایک تو ہیں ڈاکٹر شفیعہ قادری" جنھوں نے اردو تحریک آزادی سے قبل کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے لیے ڈاکٹر مغنی تبسم کے زیرِ نگرانی تحقیقی مقالہ لکھا جس پر انھیں عثمانیہ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا۔ دوسری شاعرہ ریحانہ بیگم ہیں جو الامین انتظامیہ کے ایک اسکول میں صدر معلمہ ہیں جن کا کلام "پہلی کرن" ۲۰۰۱ء میں اور دوسرا مجموعۂ کلام "آنگن آنگن پھول" ۲۰۰۲ء شائع ہوا۔ ایک طالبہ ثناء ارم ہیں جو ایک ابھرتی ہوئی افسانہ نگار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں جانی پہچانی جاتی ہیں جن کے افسانے زیادہ تر "خوشبو کا سفر" میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ رئیس اختر تو بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر ہیں جن کے تاحال تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ آئینۂ دل اشکوں کے پھول اور روحِ دل رنگتوں کا مجموعہ ۱۹۹۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ رشید احمد رشید جامعہ عثمانیہ کے قابلِ فخر شاعر رہے ہیں۔ بیدر میں ان کے کئی شاگرد رہے ہیں (اب بھی ہیں) رئیس اختر اور محسن کمال بھی ان

ہی کے شاگرد ہیں۔ رشید احمد رشید حیات اور شاعری پر ڈاکٹر سیفی حنفی ہاشمی
نے گلبرگہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے بیدر میں شعر و ادب کی دنیا سے تعلق رکھنے
والے اور بھی لوگ موجود ہیں۔ میں اپنی واقفیت کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ حامد
شمیم ایک اچھے نثر نگار اور مشہور قانون داں ہی نہیں بہترین مقرر بھی ہیں۔
جناب نیبق مشہور ایڈوکیٹ ہیں کانگریس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں ایم ایل اے
رہ چکے ہیں قیصر رحمن سیاست اخبار کے نامہ نگار ہیں اور بہترین کرسپانڈنٹ
کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں کانگریس پارٹی کے قائد ہیں ایک بزرگ شخصیت
ظہورالدین ایڈوکیٹ کی بھی ہے جو نہ صرف ایک نامور قانون داں ہیں بلکہ شعر و ادب
سے دلچسپی رکھنے والی ممتاز شخصیت ہیں۔ حکیم بھی ایک کامیاب
حکیم حاذق ہونے کے علاوہ شعر و ادب خاص طور پر مشاعروں کی سرپرستی کرنے والوں
میں سب سے زیادہ پیش پیش رہے۔ مقصود علی خان مرحوم ایم پی ہونے کے
علاوہ سالار بیدر کے مدیر رہ چکے ہیں ایک مشہور و معروف سائنٹسٹ ڈاکٹر
کلیم اللہ جو امریکہ میں مقیم تھے عالمی شہرت کی حامل شخصیت تھے اس طرح کے قابل
لوگ اب بھی بیدر میں موجود ہوں گے جو میری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان شخصیتوں
کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین بیدر ہر دور میں علوم و فنون اور دیگر
علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی سرگرمیوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ محسن کمال کو
میں زائد از ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ حیدرآباد میں کسی زمانے میں وہ دکن تیور سے
بھی وابستہ تھے محسن کمال نے مجھے بیدر کے کئی مشاعروں میں مدعو کیا تھا مشاعروں کی
وساطت سے ہی ہم دونوں کے مراسم بڑھتے گئے [illegible]

رواں دواں شخصیت کے حامل ہیں۔ وہ زندگی کے طویل سفر میں بے شمار تجربوں اور نئے
نئے حالات سے گزرتے رہے لیکن انہوں نے ارتقائی منازل طے کرنے میں کبھی
سست گامی سے کام نہیں لیا۔ خونِ رواں کی طرح وہ معاشرہ میں متحرک ہیں
شاعر بھی ہیں، صحافی بھی، قائد بھی، صلاح کار بھی اور شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ انہیں
اپنے وطن سے، اپنی سرزمین سے بے حد محبت ہے اپنی شناخت، اپنی پہچان
کے لئے انہوں نے شب و روز محنت کی۔ جد و جہد کرتے رہے۔ میدان میں
قدم رکھا تو ہر ایک سیاسی پارٹی کے قائدین سے مراسم استوار کئے۔ صحافی کی حیثیت
سے سرگرم عمل رہے تو صحافتی دنیا کے سربراہوں سے اپنی رسم و راہ بڑھائی۔ شاید ہی
زندگی کا کوئی ایسا شعبہ ہوگا جس سے ان کا تعلق نہ رہا ہو۔ محسن کمال سے میری ملاقات
صرف شاعروں کے سلسلے میں ہی ہوتی رہی۔ لیکن میں خاص طور پر ان کی شعری، ادبی و
سیاسی مصروفیات سے واقف ہوں۔ محسن کمال بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں
لیکن انہوں نے بہت ہی عمدہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ مناجات، حمد، نعتوں اور
منقبتوں میں پورے عقیدت و احترام کے ساتھ ان کا قلم اٹھا ہے۔ محسن کمال
کے حیدرآباد میں چاہنے والوں کی کثیر تعداد ہے جن میں شعراء بھی ہیں ادیب
بھی ہیں، صحافی بھی ہیں اور سیاسی قائدین و کارکن بھی ہیں۔ محسن کمال کی ساری
زندگی جہدِ مسلسل کی آئینہ دار ہے۔ محسن کمال کا ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء ممبئی میں قیام رہا
۱۹۶۶ء میں حیدرآباد واپس ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں کاروان اخبار نکالا۔ انگریزی میں
BIDAR SPEAKER ویکلی اخبار اور کرناٹک میں روزنامہ کاروان جاری کیا۔ ۱۹۷۶ء
میں اشعار کائنات پر منظوم کتاب اشارات لکھی۔ ۱۹۷۷ء میں اردو ٹیچرس ٹریننگ کالج

قائم کیا۔ عوامی ادارہ ادرگاوان اسٹڈی سرکل کا قیام بھی عمل میں لایا۔ ۱۹۸۲ء میں ضمنی انتخابات میں رکن اسمبلی بنے۔ ۱۹۹۲ء میں ایم ایل سی بنائے گئے۔ راجیو گاندھی پر ہمارا مسیحا منظوم کتاب لکھی۔ ۱۹۹۱ء میں حکومت کرناٹک نے راج انسوا ایوارڈ دیا۔ ۱۹۶۸ء میں اپنے استاد رشید احمد رشید کے کلام کو مرتب کر کے نم ابر دکے نام سے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ شہر غزل بھی اشاعت پذیر ہوئی۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب سے بھی ان کے مراسم رہے ان کی سیاسی مصروفیات کا سیاست کے ذریعہ علم ہوتا رہتا ہے دیگر اخبارات منصف، رہنمائے دکن اور عوام میں بھی ان کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں محسن کمال یار باش، خود دار، ہمدرد، با مروت انسان ہیں سرزمین بیدر کے ادبی و سیاسی وقار کو بڑھانے میں کلیدی رول ادا کرتے رہے ہیں۔ محسن کمال ایم ایل اے بھی رہے اور ایم ایل سی بھی۔ لیکن ان کے مزاج میں کوئی خاص سیاسی تبدیلی نہیں آئی سیدھی سادی زندگی گذارتے رہے۔

کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہیں زندگی اور موت کے کشمکش سے گزر رہے ہیں۔ کچھ مہینے پہلے ان کے شعری مجموعہ "حرف حرف لہو" کی اشاعت پر ایک بہت ہی عمدہ ادبی تقریب بیدر میں ہوئی کتاب کی رسم اجراء مدیر اخبار سیاست جناب زاہد علی خان نے انجام دی۔ اسی شب مشاعرہ ہوا جناب رئیس اختر نے صدارت کی راقم الحروف نے شمع روشن کر کے مشاعرہ کا آغاز کیا ان کی جلد از جلد صحت یابی کے لیے ہم دعا گو ہیں۔

محسن کمال سے میری بہت کم ملاقات رہی ہے لیکن ان سے زبنی رشتہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی خاص طور پر سیاسی و ادبی سرگرمیوں سے باخبر رہا۔ محسن کمال مشاعروں میں اکثر دعوتیہ نظمیں سناتے ہیں حب الوطنی کے موضوع پر انکا کلام پُر اثر وار دات قلبی کا آئینہ دار رہتا ہے

ڈاکٹر صُغرا عالم

(نامور شاعرہ۔ صاحبِ اسلوب ادیبہ۔ شائستہ خاتون)

میں نے اپنی ۴۵ سالہ شاعرانہ زندگی میں بہت سی شاعرات کو دیکھا ہے اُن سے ملاقاتیں کی ہیں، کلام سُنا ہے، اُن سے گفتگو کی ہے، اُن کے ہمراہ سفر کیا ہے، شہر کے، اضلاع کے اور ملک کے بعض مقامات پر منعقدہ مشاعروں میں شرکت کی ہے لیکن اِدھر کچھ برسوں میں بہت کم شاعرات کو میں نے تہذیبی اقدار کی پاسداری کرنے والی پایا ہے (یہ بات میں صرف اُن بعض شاعرات سے متعلق کہہ رہا ہوں جو کل ہند مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں اور صرف مشاعروں کی شاعرات ہیں) میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مشاعروں کی شاعرات اور رسائل اور کتابوں کی شاعرات میں واضح فرق ہے۔ میں نے ہمیشہ ایسی ہی شاعرات کو عزت و توقیر سے دیکھا ہے جو آبرو ئے قلم و قرطاس رہا کرتی ہیں۔ عوامی مشاعروں کے مقابلے میں منتخب شعری محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتی ہیں۔ جو باحیا، مہذب و شائستہ ہیں جن کے رکھ رکھاؤ، آدابِ گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ علمی و ادبی مشرقی

گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پڑھی لکھی، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ معاشرہ میں اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ جانی پہچانی جاتی ہیں۔ کاغذ و قلم کی رفاقت کو عزیز رکھتی ہیں۔ اچھی اچھی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ ادبی رسائل میں اپنی تخلیقات چھپواتی ہیں۔ اپنے نثری و شعری کتابوں کی اشاعت سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ آداب محفل کا خیال رکھتی ہیں۔ اپنی نسوانیت سے اپنے باوقار ورثہ کی علامت بنی رہتی ہیں نظریں اُٹھاکر کم اور آنکھیں جھکاکر زیادہ باتیں کرتی ہیں جن کا انداز گفتگو ادیبانہ وشاعرانہ ہوتا ہے جو علمی و ادبی موضوعات پر اظہار خیال کو اپنی گفتگو کا حاصل سمجھتی ہیں شاعروں کے جمگھٹوں سے دور رہا کرتی ہیں۔ البتہ اپنی ہم خیال شاعرات میں بے تکلفانہ انداز گفتگو کو بہتر سمجھتی ہیں۔ اس طرح کی بہت سی شائستہ و شگفتہ روایات اور اعلیٰ وارفع طرز گفتگو کو پسند کرنے والی خاتون شعراء میں ڈاکٹر صغرا عالم بھی ہیں جو ایک مہذب و باوقار شخصیت کی حامل ہیں جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ علمی و ادبی مصروفیات میں گذرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر صغرا عالم کو میں تقریباً ۳۰، ۳۲ برسوں سے جانتا ہوں جن کے ساتھ میں نے بیشتر مشاعرے پڑھے ہیں حیدرآباد میں بھی گلبرگہ میں بھی اور ملک کے بعض دوسرے مقامات پر بھی۔ ڈاکٹر صاحبہ کے شوہر محترم عالم صاحب مشاعروں میں ان کے ساتھ رہتے ہیں جو نہایت حلیم الطبع وضع دار اور شریف النفس انسان ہیں مشرقی تہذیب سے آراستہ اس شخصیت سے گفتگو کرتے ہوئے فرحت محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صغرا عالم تحت میں کلام سناتی ہیں اور مشاعرہ پر چھا جاتی ہیں۔ ان کے شعر پڑھنے کا انداز

متاثر کن ہوتا ہے وہ نسوانی تہذیب کی اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریک
مشاعرہ رہتی ہیں اور اپنے بہترین کلام سے داد و تحسین حاصل کرتی ہیں۔ میں
نے دورانِ مشاعرہ یہ بھی محسوس کیا ہے کہ تمام شعرائے کرام انہیں قدر کی نگاہوں
سے دیکھتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ انداز کو پسند کرتے ہیں جب وہ محفل میں آتی
ہیں تو اپنے اندازِ نشست و برخواست اور اپنے شخصی لباس سے محفل کو متوجہ
کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صغرا عالم نے خاص طور پر گلبرگہ کے لیے قابلِ فخر و لائقِ تحسین
خاتون شاعرہ ہیں۔ گذشتہ تین دہوں سے سرزمینِ گلبرگہ کی نمائندگی کرنے والی واحد
شاعرہ ہیں جنھیں اُن کی شاعری کے ابتدائی زمانے سے ہی پسندیدگی کا اعزاز حاصل ہو رہا
ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی شاعری اور شخصیت کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے
ڈاکٹر صغرا عالم اگرچہ کرناٹک کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن حیدرآباد دکن کی
تہذیبی خوشبو ان کے جسم و جاں کو مہکا رہی ہے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ گلبرگہ کے
شہریوں پر علاقہ کرناٹک کی چھاپ موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے حیدرآباد میں بہت
سے رشتہ دار موجود ہیں۔ جب وہ حیدرآباد آتی ہیں تو کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے
فون پر بھی گفتگو رہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کو میں نے مشاعرۂ دکن کے علاوہ بعض اہم
مشاعروں میں بھی مدعو کیا ہے "سیاست" اخبار میں ڈاکٹر صاحبہ کا کلام برسوں سے
شائع ہو رہا ہے "خوشبو کا سفر" کے علاوہ انڈو پاک کے ادبی رسائل میں کلام شائع
ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ گلبرگہ اور اس کے قرب و جوار میں خاص خاص مشاعروں
میں شرکت کرتی ہیں لیکن بہت کم۔ ڈاکٹر صاحبہ کے گھر کا ماحول خالص مشرقی ہے
وہ قدیم تہذیبی روایات کی نہ صرف قدر شناس ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہیں ڈاکٹر صغرا

کا پہلا مجموعۂ کلام "حیطۂ صدف" ۱۹۹۲ء میں حیدرآباد میں شائع ہوا۔ گلبرگہ میں حیطۂ صدف کی رسم اجراء تقریب شاندار پیمانے پر ہوئی تھی بین الریاستی مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا حیدرآباد سے راشد آزر، رئیس اختر اور میں نے شرکت کی تھی حیدرآباد کی شاعرات میں مظفر النساء ناز اور عزیز النساء صبا سے بھی اچھی خاصی ملاقات رہی ہے پروفیسر حبیب ضیاء اور ڈاکٹر لئیق صلاح سے بھی ان کے مراسم ہیں محفل خواتین سے وابستہ شاعرات اور خاتون ادیبوں سے بھی ان کی صاحب سلامت ہے ۔ گلبرگہ میں ہونے والے مشاعروں میں میں زائد از ۴۰ برسوں سے شرکت کر رہا ہوں ۔ میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں حضرت عطا کلیانوی، سلیمان خطیب عبدالرحیم آرزو، سرور مرزائی، ڈاکٹر راہی قریشی، صابر شاہ آبادی، محب کوثر اور پنڈت دامودر ذکی کے ساتھ گلبرگہ کے کئی مشاعرے پڑھے ہیں ۔ خاص طور پر بٹلی الاوہ میں ہونے والے سالانہ نعتیہ مشاعروں میں لازماً شرکت کیا کرتا تھا یہاں ان شعرائے کرام سے لازماً ملاقات رہتی تھی ۔ روضۂ خورد کے مشاعروں میں بھی یہ شعراء کرام شرکت کیا کرتے تھے رفتہ رفتہ گلبرگہ میں بھی قدیم طرز کے مشاعروں کی روایت ختم ہوتی گئی ۔ اب بھی چھوٹے بڑے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں لیکن ان دنوں سارے ملک کے مشاعروں کی نوعیت ہی بدل گئی ہے اس وقت گلبرگہ میں محب کوثر حامد اکمل، ڈاکٹر صغرا عالم، وقار ریاض اور دیگر شعراء شعری و ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ سرزمین بندہ نواز گلبرگہ ڈاکٹر صغرا عالم کا وطن ہے ان کے والدین مذہبی خیالات کے مہذب و شائستہ انسان تھے صغرا عالم کو بچپن سے ہی اردو شعر و ادب سے دلچسپی رہی ۔ ڈاکٹر صاحبہ کے تا حال تین شعری مجموعے

حیطۂ صدف (۱۹۹۰ء) بینت الحروف (۱۹۹۵ء) سفیر بچان ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئے ہیں کف میزان (تبصرے) زیر اشاعت ہے دو کتابیں محراب دعا (حمد اور نعتوں کا مجموعہ) اور عنوان عروض پہ ایک کتاب زیر ترتیب ہے ایک اور کتاب حنا غزل (شعری مجموعہ) زیر اشاعت ہے جس میں ۸۶ ۷ اشعار ۹۲ غزلیات شامل ہیں پروفیسر عنوان چشتی حیات اور کارنامے کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ پیش کر کے آرا ے بہار یونیورسٹی مظفر پور سے ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی شعری و ادبی خدمات پر مختلف ادبی اداروں، تعلیمی شعبوں سے زائد از دس انعامات مل چکے ہیں۔ دوردرشن حیدرآباد سے بھی ڈاکٹر صاحبہ کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوا ہے بعض کل ہند مشاعرے جن میں ڈاکٹر صاحبہ نے شرکت کی تھی وہ نیشنل پروگرام میں پیش کیے گئے شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں انہیں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت گلبرگہ کی ہی نہیں ریاست کرناٹک کی سب سے اہم شاعرہ کی حیثیت سے اپنی مکمل شاعرانہ پہچان کے ساتھ شعری و ادبی خدمات انجام دے رہی ہیں ۔

پروفیسر فہیم احمد صدیقی

(حیدرآباد دکن کے مقبول شاعر، قابل استادِ اردو)

حکومت ہند کی معاندانہ پالیسی سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم نوعمل میں آئی لیکن اس تقسیم کے سبب حیدرآباد کرناٹک اور حیدرآباد مہاراشٹرا کے اضلاع، تعلقہ جات و مواضعات کے بہت سے خاندان بکھر گئے حیدرآباد کی تہذیبی شناخت اور سیاسی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے ریاستوں کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔ ان کی تہذیب، ان کے کلچر میں بھی فرق آگیا نئی نسل تو نئے ماحول میں ڈھل گئی لیکن اس کے باوجود جن کی تہذیبی جڑیں مضبوط ہیں انہوں نے اس لسانی تہذیب کو قبول تو کیا مگر اپنے رسم و رواج، اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی وضعداری و طرح داری کو بچائے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ریاستوں کی لسانی تقسیم کے بعد بھی حیدرآباد دکن کے اضلاع اورنگ آباد، پربھنی، ناندیڑ، گلبرگہ، بیدر وغیرہ میں رہنے والے لوگوں نے حیدرآباد دکن کی تہذیبی روایات کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے بزرگوں کا جو تعلق ریاست حیدرآباد دکن کی تہذیب و کلچر سے

تھا اس کو برقرار رکھا۔ آج بھی ان اضلاع میں بہت سے گھرانے ایسے ہیں جو حیدرآباد دکن کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔ مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ حالات کے تقاضوں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے نئی تہذیب کا ایک حصہ تو بن گئے ہیں لیکن پرانی تہذیبی اقدار کو اب بھی سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ان اضلاع کے اس دور میں رہنے والے لوگوں کا رہن سہن حیدرآباد دکن کی روایات سے جڑا ہوا ہے۔ عوامی زندگی میں حیدرآباد دکن سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھال لیا ہے اور ان کی ذاتی اور نجی زندگی میں اس نئی تبدیلی کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ ایسے اضلاع جو حیدرآباد دکن کے اہم اضلاع تھے ان میں ایک ضلع ناندیڑ بھی ہے جو لسانی تقسیم کی زد میں آکر مہاراشٹرا حکومت کا ایک حصہ بن گیا ہے اردو تہذیب اور معاشرہ سے وابستہ ناندیڑ کے لوگوں خاص طور پر ان لوگوں سے جو اردو زبان، اردو شعر و ادب سے رشتہ رکھتے ہیں میری رسم و راہ ہے جن میں سے ایک مقبول شاعر پروفیسر فہیم احمد صدیقی بھی ہیں جن کی شاعرانہ قدر و قیمت ملک کے اردو حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔ فہیم احمد صدیقی ناندیڑ کے شہری ہیں ۵ فروری ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا محمد عمر صدیقی اطہر جالنوی کے فرزند دلبند ہیں۔ ایم اے۔ بی ایڈ کی سند رکھتے ہیں مجروح سلطانپوری کی شاعری پر پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ پیر تھیا نکیتن کالج ناندیڑ کے صدر نشین شعبۂ اردو ہیں۔ چیرمین بورڈ آف اسٹیڈیز اردو ہیں۔ سواجی را مانند

نیز تھہ یونیورسٹی ناندیڑ کی اکیڈیمک کونسل کے رکن ہیں۔ رکن مہاراشٹرا
اسٹیٹ اردو اکیڈیمی بھی ہیں۔ جنرل سکریٹری اردو اکیڈیمی ناندیڑ
ہونے کے علاوہ جواہر ایجوکیشن سوسائٹی، سرسید کالج اورنگ آباد
کے رکن عاملہ ہیں۔ ۱۹۶۸ء سے شعر کہہ رہے ہیں "نقش دوام" کے
نام سے ایک مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔ "وارفتہ" کے نام سے ایک
مجموعۂ کلام زیر اشاعت ہے آل انڈیا ریڈیو ناندیڑ، ممبئی، اورنگ
آباد سے ان کا کلام نشر ہوتا رہتا ہے دوردرشن کے مشاعرے بھی
پڑھ چکے ہیں حیدرآباد، ممبئی، برہان پور، ناگپور، علی گڑھ، شولاپور
پونا وغیرہ کے کل ہند مشاعروں میں کلام سنا چکے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے
سے ہی فہیم احمد صدیقی کو اردو شعر و ادب سے دلچسپی ہے اردو ماحول میں
تربیت یافتہ اس شاعر کو اپنی شعری و ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے
مواقع ملتے رہے۔ ناندیڑ کے مقبول ترین شاعروں میں ان کا شمار
ہوتا ہے۔ ناندیڑ میں محمود عشقی بھی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جو کچھ برسوں
سے طوالت عمر اور ناسازی مزاج کی وجہ سے مشاعروں میں شرکت نہیں
کر رہے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی سے میری پہلی ملاقات نظام آباد کے ایک
مشاعرے میں ہوئی تھی جس کے داعی نظام آباد کے ممتاز شاعر، مدیر ماہنامہ
"گونج" جمیل نظام آبادی تھے۔ جمیل نظام آبادی سے ان کے گہرے دوستانہ
مراسم ہیں نظام آباد کے اکثر مشاعروں میں مدعو رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی
کی حیدرآباد کے ایک نامور شاعر رئیس اختر سے بھی دوستی ہے مجھ سے

ملاقات ہونے سے پہلے رئیس اختر سے فہیم احمد صدیقی کے مراسم ہیں۔
فہیم احمد صدیقی ناندیڑ کے نمائندہ شاعر تو ہیں ہی ہیں لیکن ملک کے تمام
مشاعروں میں جہاں جہاں انہوں نے کلام سنایا ہوگا یقیناً داد و تحسین
سے نوازے گئے ہوں گے۔ میں نے انہیں ناندیڑ کے مشاعرہ کے علاوہ
نظام آباد اور حیدرآباد کے بعض مشاعروں میں سنا ہے پُراثر ترنم میں کلام
سناتے ہیں ان کی شاعری دل کو چھونے والی ہوتی ہے اُن کی اچھی شاعری
پر ترنم نگینہ کا کام کرتا ہے۔ شاعر دوست ہیں، دوستی کی قدر و قیمت کا
انہیں پوری طرح اندازہ ہے اس لیے ان کے دوستوں میں بہت سے اچھے
اچھے نامور اہلِ قلم شامل ہیں فہیم احمد صدیقی ایک حرکیاتی شخصیت کے مالک
ہیں۔ زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں مصروف رہتے ہیں۔ ادبی جلسوں
اور مشاعروں کے انعقاد میں شخصی دلچسپی لیتے ہیں۔ ناندیڑ میں کل ہند اساس
پر ہونے والے مشاعروں میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں ناندیڑ کی ایک با اثر
شخصیت ہیں ان کی شاعرانہ عظمت و رفعت نے معاشرہ میں انہیں ایک اہم
مقام عطا کیا ہے ۔ اُردو تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں
انتہائی خلیق مخلص شریف انسان ہیں ان کی طبیعت میں انکساری کے ساتھ خود داری
بھی ہے۔ انہیں اپنی شاعرانہ پہچان کا احساس ہے اپنی شاعرانہ حیثیت
کو برقرار رکھنے میں تساہلی سے کام نہیں لیتے۔ فہیم احمد صدیقی نوجوان قلم کاروں
کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں بیر بھنی کے شاعروں اور وہاں کے ادبی و
شعری ماحول سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی ادبی رسالوں کے بھی شاعر ہیں

لیکن اپنے کلام کی اشاعت میں کم دلچسپی لیتے ہیں کبھی کبھی خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اخبار سیاست میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے فہیم احمد صدیقی میرے پسندیدہ شاعر ہیں اس لئے میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ حیدرآباد کے کل ہند مشاعروں کے علاوہ بعض اہم مشاعروں میں شریک رہیں۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعتیہ مشاعرہ کے لیے بھی میں انہیں مدعو کرتا رہا جبکہ میں اُن مشاعروں کا معتمد تھا دارالسلام کے سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی شمولیت میری معتمدی کے زمانے سے ہی ہونے لگی۔ فہیم احمد صدیقی مشاعرہ دکن کے سالانہ مشاعروں میں شریک رہے ہیں چونکہ میں زیر سرپرستی کونڈا لکشمن باپوجی سابق ریاستی وزیر اطلاعات مشاعرہ دکن کا فاونڈر سکریٹری تھا اضلاع کے تقریباً ۳۰ منتخب شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا مشاعروں میں پربھنی، اورنگ آباد اور ناندیڑ کے شاعر بھی مدعو رہتے تھے حال ہی میں جشن گولکنڈہ سوسائٹی کے مشاعرہ میں انھوں نے شرکت کی تھی اپنے بہترین اور پُراثر ترنم سے اس محفل پر چھا گئے تھے۔ فہیم احمد صدیقی ایک یار باش، دوست نواز، دوستی کے قابل انسان ہیں اگرچہ فہیم احمد صدیقی ناندیڑ میں سکونت پذیر ہیں لیکن اُن کی گفتگو، اُن کے رہن سہن اور ان کے شاعرانہ تربیت یافتہ مزاج سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حیدرآبادی ہیں ۔ ان کے لب و لہجہ میں اپنائیت رہتی ہے مخلصانہ رویے کے شاعر دلنواز ہیں۔ نہایت

سادہ مزاج، شگفتہ طبیعت، منکسر المزاج، اعلیٰ ظرف، پاکردار شخصیت کے حامل ہیں۔ فہیم احمد صدیقی کا دور حاضر کے شاعروں میں ایک اہم مقام ہے جدید شاعر بھی سمجھے جاتے ہیں بلکہ انہیں میں کلاسیکی شاعری کا ایک اہم شاعر مانتا ہوں ۔۔۔ ان کے کلام میں کلاسیکی شاعری کے وہ تمام جوہر ملیں گے جو سامع و قاری کے ذہن و فکر کو چمکاتے ہیں اگر منتظمین مشاعرہ کے فہیم احمد صدیقی سے اچھے مراسم ہیں تو انہیں مشاعروں میں مدعو کرنے کے لیے خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی صرف ایک ٹیلی فون کافی ہے وعدہ کے پابند شاعر ہیں مخصوص شاعرانہ عادات سے مبرا ہیں ان کا شاعرانہ مرتبہ لے داغ ہے شعری ادب میں جو کچھ بھی مقام انہوں نے پایا ہے اس میں کسی اور کی مہربانیوں کا دخل نہیں ہے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے اس مرتبہ پر پہونچ گئے ہیں۔ خوش مزاجی، شائستگی اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ فہیم احمد صدیقی سے میری ملاقات کم رہی ہے لیکن ان کی پُر اثر شخصیت نے کم کم ملاقات میں ہی مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے حیدرآباد کے شاعروں میں رئیس اختر ان کے بہت ہی قریبی دوست ہیں۔ اُن کی مقبولیت کو دوبالا کرنے میں ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ان کی معتبر شہری کی حیثیت کو بھی بڑا دخل ہے جو لوگ اپنی نجی زندگی میں کامیاب رہتے ہیں وہ اپنی سوسائٹی میں بھی نیک نام رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی، مجھے یقین ہے کہ اپنے مراسم کی بنیاد پر زبان و ادب کیلئے بہت سے سرکاری و غیر سرکاری لوگوں سے کام لیتے رہیں گے اردو زبان کی بقا کیلئے فہیم احمد صدیقی جیسے سرگرم عمل شخصیتوں کی خاص طور پر آج کے دور میں بے حد ضرورت ہے ۔

سلیم عابدی

(خوش گلو، بہترین شاعر، نامور ناظم مشاعرہ، خلیق انسان)

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حیدرآباد کے شاعروں کے مقابلے میں اضلاع کے شاعروں کی قدر نہیں کی جاتی۔ فن کار فن کار ہوتا ہے جس کو شہر اور اضلاع کے خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔ اچھا فن کار جہاں کہیں بھی ہو وہ اپنے فن کا جوہر دکھاتا ہے اضلاع میں بھی نامور شاعر، اساتذۂ سخن اور قابلِ قدر دانشور موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ شہر کے شاعروں کے مقابلے میں نسبتاً مشہور نہیں ہیں۔ اضلاع کے شاعروں میں بعض ایسے باصلاحیت شاعر موجود ہیں جن کا حیدرآباد کے صف اول کے شاعروں میں شمار کیا جا سکتا ہے اگر شہر کے تمام باخبر دانشوران شعر و ادب کھلے دل و دماغ سے کام لیں تو شہر اور ضلع کی تخصیص ختم ہو سکتی ہے لیکن اس کو کیا کیجئے کہ بعض اہم ادبی مواقع پر بھی اضلاع کے شاعر نظر انداز

کیے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود شہر کے سربراہان محفل شعر و ادب میں کچھ ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو اضلاع کے شاعروں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور جب کبھی موقع ملے انھیں شہر کے بڑے بڑے مشاعروں اور اہم اہم علمی ادبی تقاریب میں مدعو کرتے ہیں۔ جہاں تک شہر کے اہم مشاعروں میں گذشتہ کچھ برسوں سے اضلاع کے شاعروں کو مدعو کرنے کا سوال ہے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہوں۔ ادھر کچھ برسوں پہلے تک حیدرآباد کے بڑے مشاعروں میں اضلاع کے شاعروں کو بہت کم مدعو کیا جاتا تھا لیکن میں نے کل ہند مجلس تحاد المسلمین کے سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے ممتاز شاعروں کو مدعو کرنے کی روایت ڈالی ہے چنانچہ جتنے برس میں معتمد مشاعرہ رہا اضلاع کے تقریباً دس شاعروں کو مدعو کیا کرتا تھا۔ شہر کے بعض اہم مشاعروں میں میں مدعو کیا کرتا ہوں۔ میں نے مشاعرۂ دکن کی بنیاد رکھی۔ چھ سال تک سالانہ مشاعرے ہوتے رہے ہیں جس میں اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدرآباد کے تقریباً ۳۰ شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ میں اس مشاعرہ کا بانی جنرل سکریٹری تھا۔ یہ مشاعرے حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے قدر شناس کونڈا لکشمن باپوجی سابق ریاستی وزیر محکمہ اطلاعات کی زیر نگرانی حسین ساگر کے کنارے بمقام جلا درشنم بڑے ہی اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتے تھے جس کی صدارت سابق گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت کے علاوہ جناب عابد علی خان صاحب مدیر روزنامہ سیاست، [illegible] شاہ عالم خان صدر نشین انوار العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو اور تلگو کے نامور شاعر

ڈاکٹر سی نارائن ریڈی جیسی نامور شخصیتوں نے بھی شعراء کو ان کی خدمت کے اعتراف میں مومنٹو پیش کیے جاتے تھے۔ اضلاع کے بعض شاعروں کو ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ جہاں شہر کے علمی، شعری و ادبی ادارے اور انجمنیں زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہیں بعض اضلاع کے ادارے اور انجمنیں بھی سرگرم عمل ہیں ــ سلیم عابدی زائد از ۴۰ برسوں سے شعری و ادبی دنیا میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلا رہے ہیں۔ سلیم عابدی یکم جولائی ۱۹۴۴ء میں محبوب نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم محبوب نگر میں ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ کمیونٹی ہلت آفیسر گزیٹیڈ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اصلاحی ادب سوز عشق ۲۰۰۹ء اور شعری مجموعہ شناخت سخن ۱۹۹۵ء ہے۔ سلیم عابدی کے استاد محترم شیخ [illegible] الدین شیخ کہنہ مشق شاعر تھے۔ سلیم عابدی نے کئی کل ہند مشاعرے [illegible] اے پی [illegible] ملک بھر کے کل ہند مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں۔ محبوب نگر کی بعض فعال شعری و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ سلیم عابدی کو استادِ سخن ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے تلمذ حاصل ہے۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے مقبول شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سلیم عابدی کو میں زائد از (۱۰) برسوں سے جانتا ہوں۔ بیسیوں مشاعرے ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھے ہیں۔ سلیم عابدی بہت ہی اچھے شعر کہتے ہیں ان کی غزلیں ان کے منفرد پُراثر ترنم کی وجہ سے دوآتشہ ہو جاتی ہیں۔ سلیم عابدی پورے اعتماد کے ساتھ شعر سنا کر داد و تحسین حاصل کرتے ہیں۔ [illegible]

ہمیشہ ترنم میں کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے شاید ہی کبھی تحت میں بھی کلام سنائے ہوں۔ لیکن ان کی پہچان مترنم شاعر کی حیثیت سے ہے سلیم عابدی سلیم الطبع، خوش اخلاق، پُرخلوص، خوش مزاج اور زندہ دل انسان ہیں ان سے ملاقات کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ ہم ایک باغ و بہار شخصیت سے ہم کلام ہیں بہت اچھے موڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں مزاح بھی ہے دوران گفتگو چست مزاحیہ جملوں سے ماحول کو کچھ دیر میں خوشگوار بنا دیتے ہیں ان کا ہنک ہنک کر بات کرنا کبھی تحمل سے اور کبھی برجستہ و بے ساختہ ان کا گفتگو کرنا مخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ سلیم عابدی نہایت صاف دل و دماغ کے انسان ہیں۔ ان کا دل آئینہ کی طرح شفاف ہے ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے چونکہ یہ ذاتی طور پر ایک بھلے اور نیک انسان ہیں اس لیے وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی اور ان کی بہتری کے لیے سوچتے رہتے ہیں یہ شاعر برادری سے ہٹ کر معاشرہ کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بھی ان کی صاحب سلامت ہے۔

سلیم عابدی کے مزاج کا بے ساختہ پن ان کی فطرت کا ایک اہم وصف ہے حیدرآباد کے تمام ادبی حلقے ان کے نام اور ان کی ادبی مصروفیات سے واقف ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی قدر کرتے ہیں سلیم عابدی ماہر شاعر ہیں کامیاب رہتے ہیں۔ اپنے بہترین شعر کے ساتھ ساتھ اپنے منفرد و متاثر کن ترنم کے سبب ہمارے مشاعرے پر چھا جاتے ہیں سلیم عابدی محبوب نگر کی خصوصی پہچان بن گئے ہیں صف اول کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے سلیم عابدی ایک کامیاب ناظم مشاعرہ بھی ہیں بالخصوص محبوب نگر میں ہونے والے مشاعروں کے

ناظم شاعرہ رہتے ہیں۔ سلیم عابدی کا رکھ رکھاؤ کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ ضلع کے شاعر معلوم نہیں ہوتے۔ ان کا کلام روزنامہ سیاست کے علاوہ خوشبو کا سفر میں شائع ہوتا رہتا ہے ریڈیو اور دوردرشن کے ذریعہ بھی ان کا کلام ہم تک پہنچ جاتا ہے۔ سلیم عابدی نے دوردرشن کیندر کے علاوہ کل ہند سطح کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے۔ اردو زبان و ادب کے اہم خدمت گذاروں میں انہیں شہرت حاصل ہے۔ کچھ عرصہ تک اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے پی آر او بھی رہے ہیں۔ سلیم عابدی کے دوستوں کا ایک بڑا حلقہ ہے جس میں معاشرہ کی ہر سطح کے لوگ موجود ہیں۔ سلیم عابدی سے اضلاع کے مشاعروں میں اتفاقاً ملاقات ہو جاتی ہے شہر کے بعض مشاعروں میں بھی وہ مدعو رہتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی میں جم کر شعر سناتے ہیں۔ وہ ایک حساس شاعر ہیں۔ مشاعروں میں منتخب شعر ہی سناتے ہیں۔ انہیں زیادہ شعر سنانا پسند نہیں ہے جب سلیم عابدی شعر سناتے ہیں تو سارے سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ ان کے کلام سے محظوظ ہوتے ہیں۔ بعض پیشہ ور شاعروں کے طرز عمل سے وہ بے حد نالاں ہیں انہیں وہ شاعر زیادہ پسند ہیں جو کتابوں اور رسالوں کی دنیا کے شاعر گردانے جاتے ہیں۔ سلیم عابدی جیسے دوستوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے ذہنی تھکن دور ہو جاتی ہے اس شخص میں غرور، گھمنڈ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہر موقع پر اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مشاعروں میں آداب مشاعرہ کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنے شاعر دوستوں سے کھل کر ملتے ہیں اور بلا تصنع سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہیں کم آمیزی انہیں پسند نہیں۔ ہمیشہ احباب میں گھرے رہتے ہیں۔ ان کا

دائرہ احباب محدود نہیں ہے۔ اپنی بیس سالہ شاعرانہ زندگی میں انہیں بے شمار
شاعروں کے ساتھ مشاعرے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ لیکن کچھ ہی شاعر ایسے ہیں
جو ان کے ہم خیال ہیں دوستی اور مراسم کے نازک فرق سے وہ واقف ہیں مشاعرہ
میں وقت کی پابندی کرتے ہیں۔ وعدہ کے پابند رہا کرتے ہیں' جھوٹ' دغا
مکر و ریا سے کوسوں دور ہیں۔ ان کی ساری زندگی آئینہ مثال ہے خوش نظری
خوش مزاجی اور خوش دلی ان کے شاعرانہ وصف ہیں۔ ان کے کلام میں
کلاسیکی شعری ادب کی گہری چھاپ ملتی ہے وہ کلاسیکی اقدار اور
مہذب معاشرہ سے بہت قریب رہا کرتے ہیں۔ مجھے سلیم عابدی کی ہر ادا
پسند ہے ان کی والہانہ وابستگی بھی پسند ہے۔ میں انہیں اپنے قریب
محسوس کرتا ہوں ◄

جمیل نظام آبادی

(اضلاع کے شاعروں کے میر کارواں نامور شاعر و صحافی)

حیدر آباد کی شعری و ادبی تاریخ میں اضلاع کے شاعروں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا سہرا جمیل نظام آبادی کے سر جاتا ہے جمیل نظام آبادی نے ایک بامقصد و یادگار رسالہ گونج کے ذریعہ کیا ہے جو زیادہ تر اضلاع کے شاعروں کی تخلیقات کی اشاعت کے لیے مختص ہے۔ جمیل نظام آبادی یہ یادگار خدمت زائد از ۳۰ سال سے کر رہے ہیں۔ حیدر آباد میں اور اضلاع آندھرا پردیش میں کوئی ادبی رسالہ ایسا نہیں ہے جو اضلاع کے شاعروں کی کامل نمائندگی کرتا ہو۔ جمیل نظام آبادی ایک تجربہ کار صحافی ہونے کے علاوہ ایک منفرد شاعر بھی ہیں جو زائد از تین دہوں سے شعر کہہ رہے ہیں مشاعروں کی دنیا میں مشاعروں کے آرگنائزر کی حیثیت سے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں، ۳۰، ۳۲ برس سے نظام آباد کی شعری و ادبی فضا پر چھائے ہوئے ہیں مشاعرے ہوں

کہ ادبی تقاریب وہ پوری دلچسپی کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں زبان و ادب کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں آج سے ۳۰ برس پہلے نظام آباد کے نامور شاعر مرزا وحید بیگ ایڈوکیٹ نے بھی بہت سے مشاعرے منعقد کیئے ہیں۔ مرزا صاحب کسی زمانے میں صدر وقف بورڈ بھی تھے مشاعروں کے انعقاد میں وہ کافی دلچسپی لیتے رہے۔ ان کے بعد نظام آباد میں سب سے زیادہ متحرک، فعال شخصیت صرف جمیل نظام آبادی کی ہے یہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو وہ اردو دنیا، اردو تہذیب اور اردو جلسوں اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں وقف کر چکے ہیں۔ چاہے وہ سرکاری مشاعرے ہوں کہ غیر سرکاری جمیل نظام آبادی کے بغیر مشاعروں کے کامیاب انصرام کے بارے میں سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ جہاں تک اضلاع کے نمائندہ شاعروں کا ذکر آتا ہے وہاں اضلاع کے شاعروں کی اولین فہرست میں جمیل نظام آبادی کا نام بھی نمایاں نظر آئے گا۔ نظام آباد میں ایک اور کہنہ مشق شاعر اور کامیاب ناظم مشاعرہ تنویر واحدی ہیں جو اکثر ادبی تقاریب اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں جمیل نظام آبادی کے بہترین معاون رہا کرتے ہیں۔ جن کا کچھ برس پہلے مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے آج بھی نظام آباد کے کچھ نوجوان شاعروں و ادیبوں کی شعری و ادبی دلچسپیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظام آباد کی شعری و ادبی سرگرمیوں کی روایات باقی ہیں۔

جمیل صاحب اردو کے مسائل پر اپنے ہم خیال رفقائے کار کے ساتھ حکومت سے نمائندگی کرتے رہتے ہیں نظام آباد کی علمی و ادبی فضا میں جمیل نظام آبادی

نیک نامی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں جمیل صاحب کی دعوت پر میں نے نظام آباد میں بیسیوں مشاعرے پڑھے ہیں تمام شاعروں کے ساتھ ان کے دوستانہ اور مخلصانہ مراسم ہیں جمیل نظام آبادی ایک اصول پسند، وعدہ کے پابند، اپنی بات پر قائم رہنے والے انسان ہیں امین اور دیانت دار انسان ہیں۔ مہمان شعراء کے قیام و طعام کا معقول انتظام کرنے کے علاوہ شعراء کے معاوضہ کے سلسلے میں بھی محتاط روی کے باوجود فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔ جمیل نظام آبادی ملک کے بہت سے علاقوں میں مشاعرے پڑھ چکے ہیں حیدرآباد اور اضلاع کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔ مشاعروں کی اعلیٰ روایات کے پاسدار ہیں احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مشاعروں کا اہتمام کرتے ہیں۔ نظام آباد کے ایک معتبر و باوقار شہری ہیں نظام آباد کے معزز شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے وہاں کے لوگ اُن سے علمی و ادبی تعاون کے علاوہ فلاحی و ملی کاموں میں بھی مدد لیتے ہیں لوگ اُن پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی خدمات کی دل و جان سے قدر کرتے ہیں کوئی مسئلہ تصفیہ طلب ہو یا تعاون کا سوال ہو تو وہ ذمہ داری کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں جمیل نظام آبادی کی زندگی مسلسل کد و کاوش اور محنت شاقہ کی ترجمان بھی ہوتی ہے۔ جمیل نظام آبادی سے میرا شاعرانہ رشتہ بہت پرانا ہے ہم اب بھی رشتۂ خلوص میں پوری دیانت داری کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں جمیل صاحب نظام آباد میں جب بھی کوئی مشاعرہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے لازماً اس مشاعرہ میں مدعو کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر مشاعروں میں حیدرآباد کے شاعروں کو مدعو کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپتے ہیں میرے منتخب کردہ شعراء ذریعہ

کار مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ ملک کے کئی نامور شاعروں نے نظام آباد کے
مشاعروں میں شرکت کی ہے میں خود بھی زائد از ۳۰ برسوں سے نظام آباد کے
مشاعروں میں شرکت کر رہا ہوں۔ بودھن میں بھی مشاعروں کی ایک تاریخ ہے
نظام آباد کے تعلقوں میں بودھن ہی ایک ایسا تعلقہ ہے جہاں بے شمار مشاعروں
کی روایت رہی ہے بودھن کے بھی کئی مشاعروں میں میں نے شرکت کی ہے نظام آباد میں
کلکٹر نظام آباد مسٹر چوہدری کے زمانے میں ایک تاریخی کل ہند مشاعرہ ہوا تھا جس
میں نظام آباد کے نمائندہ شاعروں کے علاوہ خمار بارہ بنکوی نے بھی شرکت کی تھی مشاعرے
نظام آباد کے ٹاؤن ہال میں برسوں ہوتے رہے لیکن اب مختلف مقامات پر
ہوا کرتے ہیں جمیل نظام آبادی تحت میں کلام سناتے ہیں اور مشاعروں پر چھا جاتے
ہیں۔ حیدر آباد کے مشاعروں میں بھی جمیل نظام آبادی کی خاطر خواہ پذیرائی کی جاتی
ہے جمیل نظام آبادی گذشتہ کچھ برسوں سے ادارہ سیاست اور اردو ٹرسٹ کے
تعاون سے ادارہ گونج کے زیر اہتمام ہر سال اضلاع کے شاعروں کا نمائندہ مشاعرہ
منعقد کرتے ہیں یہ مشاعرے کبھی نظام آباد میں ہوتے ہیں اور کبھی حیدر آباد میں۔
میں نے زیر سرپرستی مجاہد آزادی کونڈا لکشمن سابق وزیر اطلاعات، ریاست حیدر آباد
دکن کے اضلاع سے تعلق رکھنے والے اضلاع آندھرا پردیش سے واسطہ رکھنے والے
شاعروں کے مشاعروں کے لیے "مشاعرہ دکن" کی بنیاد ڈالی چھ سال تک یہ مشاعرے
نہایت پابندی کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر جلا درشیم ساحل حسین ساگر پر
ہوتے رہے۔ مشاعروں کے تمام اخراجات کی تکمیل کونڈا لکشمن باپوجی اپنے طور پر
کرتے تھے میرے معاونین میں رئیس اختر، کنہیا لال سنگھ ورما مومن

خان شوق تھے۔ شہر کے نمائندہ شاعر بھی اس مشاعرے میں کلام سناتے تھے شعراء کی خدمت میں لازماً مومنٹو پیش کیے جاتے تھے گورنر کرشن کانت کے علاوہ نواب شاہ عالم خان، عابد علی خان اور ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، جسٹس سردار علی خان ڈاکٹر سید عبدالمنان نے بھی مشاعرہ کی صدارت کی ہے۔ جمیل نظام آبادی صرف شاعر ہی نہیں ہیں ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں ان کی نثری صلاحیتوں کا اظہار گونج کے اداریوں میں ہوتا ہے گونج کے بعض اداریے نہایت اہم ہیں جمیل نظام آبادی کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے کئی برسوں سے نشر ہورہا ہے دوردرشن سے بھی ان کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے اخبار سیاست کے علاوہ اردو کے ادبی رسائل سب رس خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے جمیل نظام آبادی یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم نظام آباد میں ہوئی۔ میسور یونیورسٹی سے ۱۹۹۱ء میں اردو میں ایم اے کیا۔ اردو اکیڈیمی لائبریری کے برانچ مینیجر ہیں تاحال ان کے تین شعری مجموعے سلگتے خواب (۱۹۷۸ء) تجدید آرزو (۱۹۸۵ء) اور میزان جمیل (۱۹۹۳ء) شائع ہو چکے ہیں وہ اوائل عمر ہی سے شعر کہتے ہیں لیکن ۱۹۷۰ء سے شعروادب کی دنیا میں شہرت پانے لگے۔ جناب مغنی صدیقی سے انہیں شرف تلمذ رہا ہے ۱۹۷۴ء سے ہفتہ وار گونج جاری کیا جو بعد میں ماہنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ دائرہ ادب کے جنرل سکریٹری ہیں کئی ادبی ایوارڈز و اعزازات مل چکے ہیں۔ جمیل نظام آبادی کی شاعری کا رشتہ کلاسیکی شعری ادب سے ہے لیکن ان کے شعر عصری حسیت کے بھی ترجمان ہیں ان کا شاعرانہ لب ولہجہ متاثر کرتا ہے اردو کے مقبول شاعروں میں اپنا ایک اچھا خاصا مقام

رکھتے ہیں حیدرآباد کے تقریباً تمام ادبی حلقوں کے سربراہوں سے اُن کی ملاقات
ہے ادارہ سیاست سے بھی اُن کے دیرینہ روابط ہیں حیدرآباد میں
مشاعروں میں جمیل نظام آبادی کی دل کھول کر پذیرائی کی جاتی ہے حیدرآباد
کے ایک فعال ادارہ' ادارہ سوغاتِ نظر کی جانب سے ان کے فکر و فن کو
خراج پیش کیا جا چکا ہے۔ جمیل نظام آبادی میرے بہت قریب ترین
دوستوں میں سے ایک ہیں۔ ہمارا رشتۂ دوستی اٹوٹ ہے انشاءاللہ ہمارا
خلوص اسی طرح باقی رہے گا

نادر اسلوبی

(زودگو۔ کہنہ مشق نامور شاعر)

ہماری ریاست کے شاعروں میں جس شاعر کا کلام ملک کے ادبی و نیم ادبی رسالوں میں سب سے زیادہ شائع ہوتا ہے وہ نادر اسلوبی ہیں۔ ویسے ہمارے ادبی حلقوں میں کچھ اور شاعر بھی ملیں گے جن کا کلام ادبی رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے لیکن ان میں نادر اسلوبی کو اولیت حاصل ہے ہمارے ہاں دو طرح کے شاعر ہیں کچھ شاعر ادبی رسائل میں اپنے کلام کی اشاعت کے سبب شہرت رکھتے ہیں اور کچھ مشاعروں کی وساطت سے۔ لیکن مشاعروں کے شاعروں کے مقابلے میں رسائل میں چھپنے والے شاعروں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ بعض شاعر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کلام کسی بھی رسالے میں دکھائی نہیں دیتا برخلاف اس کے وہ مشاعروں کے ذریعہ سے اردو دنیا میں مشہور ہیں بعض ایسے بھی شاعر ہیں جو مشاعرے بھی پڑھتے ہیں اور رسائل میں بھی چھپتے ہیں۔ نادر اسلوبی ایک زودگو شاعر ہیں اس کے باوجود ان کا صرف ایک مجموعۂ کلام

شائع ہوا ہے ان کا مجموعۂ کلام نوکِ قلم ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ ان کے ہاں بہت سا اور کلام موجود ہے اگر وہ دلچسپی لیں تو کچھ اور مجموعے شائع ہو سکتے ہیں ان کا تخلص نام نادر اسلوبی ہے اور اصلی نام غلام علی شاہ قادری۔ والد کا نام احمد علی شاہ قادری کلیے ہے ۵؍ اگست ۱۹۳۰ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے محلہ گھانسی بازار نے (حیدرآباد) میں ان کا آبائی مکان ہے نادر اسلوبی اگرچہ حیدرآبادی ہیں لیکن انہوں اپنے کاروبار کی وجہ سے ورنگل کو اپنا وطنِ ثانی بنا لیا ہے جہاں یہ تجارت کرتے ہیں اضلاع کے کہنہ مشق شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے تقریباً ۴۰۔۴۵ برس سے شعر کہہ رہے ہیں انہیں استادِ سخن طالب رزاقی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے غزل کے رسیا ہیں زیادہ غزلیں ہی کہتے ہیں قطعات و نظمیں بھی ان کے ہاں ملتے ہیں نادر اسلوبی کی شاعری بنیادی طور پر کلاسیکی ہے لیکن وہ جدید اسلوب میں بھی شعر کہتے ہیں جدت طرازیں نئے نئے قافیوں میں شعر کہنے کا شوق ہے نئے نئے لفظوں سے اپنے اشعار میں تنوع پیدا کرتے ہیں نہایت ملنسار، مخلص خوش اخلاق انسان ہیں۔ ان کا مخصوص لباس شیروانی ہے ان کی شیروانیاں عام لوگوں کی شیروانیوں کے مقابلہ میں اپنی درازئ قد کے لئے شہرت رکھتی ہیں ڈھیلی ڈھالی شیروانی پہننا پسند کرتے ہیں مخصوص کلر کی شیروانیاں انہیں پسند ہیں شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں زبان و ادب سے کافی دلچسپی ہے صاف ستھری زبان میں گفتگو کرتے ہیں ان کے زیرِ مطالعہ کتابیں بھی زیادہ رہتی ہیں مذہبی علوم سے بھی انہیں شغف ہے نادر اسلوبی کے ہاں عقیدت میں ڈوبی ہوئی نعتیں اور منقبتیں بھی ملتی ہیں۔ مشاعرے پڑھنے کے شوقین ہیں پرانے شہر کے اکثر

مشاعروں میں کلام سنانے ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، سوغات نظر، خورشید احمد جامی میموریل اکیڈیمی اور بزم جوہر کے مشاعروں میں بھی مدعو رہتے ہیں ممتاز شاعر مومن خان شوق اور کلیم قریشی ان کے استاد بھائی ہیں مومن خان شوق نے بھی اپنے ابتدائی کلام پر طالب رزاقی صاحب سے اصلاح لی۔ میں نے نادر اسلوبی کو پیپالیس ہوٹل میں بھی طالب رزاقی صاحب کے ساتھ کئی بار دیکھا۔ یہ طالب رزاقی صاحب کے اکثر شاگرد ان سے ملاقات کرتے اور اپنا کلام پر اصلاح کے لیے پیپالیس ہوٹل آتے تھے طالب صاحب اکثر شاگردوں کے کلام کی اسی وقت اصلاح کرتے تھے۔ فی الفور کلام کی تصحیح ہوجاتی تھی نادر اسلوبی کو اضلاع کے مشاعروں میں بھی مدعو کیا جاتا ہے لیکن وہ انہیں مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں جہاں انہیں شرکت کرنا پسند ہے ورنگل کی تقریباً تمام انجمنوں کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعروں میں کلام سناتے ہیں ورنگل کے سینئر شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ورنگل میں ان کے معاصر شاعروں میں اقبال شیدائی، انور حیات، مرزا مسعود محشر اور تاج مضطر بھی شامل ہیں نادر اسلوبی حیدرآباد کی طرح ورنگل کے ادبی حلقوں میں بھی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں عجز انکساری اور شریف آدمی ہیں وضع داری و عرض داری ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے احباب کی کثرت کے باوجود لیتے مخصوص احباب سے زیادہ قربت رکھتے ہیں ہندوستان کے تقریباً تمام ادبی رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے ادبی رسالوں میں ہی نہیں نیم ادبی رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا ہے ادارہ سوغات نظر کی جانب سے ان کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا جس میں ان کی شاعرانہ قدر و قیمت کو

بھرپور خراج پیش کیا گیا حیدرآباد کے بعض اہم و فعال انجمنوں کے مشاعروں میں
بھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہتے ہیں۔ نادر اسلوبی سے میرے
شاعرانہ مراسم تقریباً ۳۴، ۳۵ برس سے ہیں نہایت پرخلوص انسان ہیں
مزاج میں کچھ زیادہ ہی انکساری ہے بہت زیادہ چھپنے والے شاعر کی حیثیت
سے مشہور رہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی اس بات پر فخر نہیں کیا۔ ان میں
خودنمائی قطعی نہیں ہے جو ایک اچھے انسان کی روشن علامت ہے نادر
اسلوبی تحت اللفظ میں کلام سناتے ہیں اُن کے کلام سنانے کا انداز پُراثر
ہوتا ہے بہت عمدہ شعر کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر رسالہ میں ان کا کلام
فی الفور شائع ہوتا رہتا ہے نادر اسلوبی کا کلام برسوں سے سیاست میں شائع
ہوتا رہا۔ اب بھی کبھی کبھی شائع ہوتا ہے منصف اور رہنمائے دکن میں بھی ان
کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے حیدرآباد کے تقریباً تمام شاعروں سے وہ واقف
ہیں اُن کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہوتا رہتا ہے دوردرشن کے انجمن
پروگرام میں بھی انہوں نے کلام سنایا ہے حیدرآباد کے بعض کل ہند مشاعروں
میں کلام سنا چکے ہیں میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ حیدرآباد کے کل ہند
مشاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی بھی نمائندگی ہوتی رہے۔ بعض
مشاعروں میں میری کوشش کامیاب رہی ہے حیدرآباد میں کل ہند مجلس اتحاد المسلمین
کے کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے منتخب شاعروں کو مدعو کرنے کا سلسلہ
میری معتمدی مشاعرہ کے زمانے سے شروع ہوا۔ دارالسلام کے کل ہند نعتیہ
مشاعروں میں اضلاع کے ۱۰۸ شعراء شرکت کرتے ہیں مجلس کے سالانہ نعتیہ

مشاعروں کے علاوہ بعض بڑے ادبی مشاعروں میں بھی بیرونی اضلاع کے شاعروں
کو مدعو کیا ہے عموماً سلیم عابدی، جمیل نظام آبادی شہر کے مشاعروں میں
اضلاع کے دیگر شاعروں کے مقابلے میں زیادہ شریک رہتے ہیں ویسے یہ دونوں
شاعر بہترین شاعر ہونے کے علاوہ گذشتہ ۳۰ برس سے شعری و ادبی انجمنوں
کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے آ رہے ہیں نادر اسلوبی ورنگل
کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں لیکن وہ اپنی تجارتی مصروفیات کی وجہ سے انجمن سازی
اور محفلوں کے آراستہ کرنے کے لیے وقت نہیں دے سکتے۔ مگر ورنگل کی تمام
ادبی انجمنوں کے سربراہوں اور ارکان سے ان کی بہترین رسم و راہ ہے حیدرآباد
کے ادبی رسالوں سب رس، خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے
زود گوئی کے باوجود انہوں نے اپنی شاعری کے معیار کو گرنے نہیں دیا۔ مجھے
یہ کہتے ہوئے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ نادر اسلوبی نہ صرف اضلاع کے شاعروں
میں مقبول ہیں بلکہ حیدرآباد کے شاعروں میں بھی پسند کیے جاتے ہیں مجھ سے
اور میرے ہم خیال شاعروں سے ان کے خوشگوار روابط ہیں۔ مجھے پورا
یقین ہے کہ ہمارے خوشگوار مراسم آپ ہی آپ وقناً فوقتاً کے ساتھ باقی رہیں گے۔

رشید جاوید

غریب پرور، درد مند انسان، معاشرہ کا خدمت گزار

اپنا غم اپنا ہی ہوتا ہے۔ اپنی مسرتیں اپنی ہی ہوتی ہیں۔ انسان اپنی زندگی کی نشو و نما اور اس کی بہتری کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کا پھل ملے۔ اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جائے۔ اس کے اعمالِ حسنہ کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔ معاشرہ میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو سب کی نگاہوں کا مرکز بنا رہے۔ موسم بہاراں میں بھی یاد کیا جاتا ہے اور موسم خزاں میں بھی۔ اگر کوئی انسان صرف سکھ کا ساتھی رہے تو دکھ کا کیا ہوگا۔ اونچ نیچ، نشیب و فراز، دھوپ چھاؤں سے مانوس انسان اپنی زندگی کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کر لیتا ہے جو اس کی سوچ و فکر کے دائرہ میں محصور رہتا ہے اس کا ہر عمل سوسائٹی میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک ایک پل اپنے لیے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ جو لوگ اپنی زندگی کو دو حصوں میں بانٹ

دیتے ہیں وہ اپنے لیے بھی جیتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی۔ وہ زندگی کی راحتوں اور حیات کی تلخیوں کی آمیزش سے سرگرم عمل رہتے ہیں اور صحیح سمت میں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ آر۔ ڈی۔ سی ملازمین کے فائدالاین ... تعلیمی اداروں سے وابستہ احساس ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہنے والی شخصیت اور معاشرہ کے وہ تمام لوگ جو زندگی کے نت نئے مسائل میں گھرے رہتے ہیں اُن کی بھلائی کے بارے میں غور کرنے والے رشید جاوید ان تمام لوگوں کے بھی دل و نگاہ میں ہیں جو مختلف مسائل میں اُلجھے ہوئے رہتے ہیں رشید جاوید میرے بھلتیجے ہیں ان سے میرا رشتہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ان کی اعلیٰ خصوصیات و صفات کے تذکرہ پر قلم چلتے چلتے رک جاتا ہے پھر بھی ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا میری ضمیر کی تسکین کے لیے ضروری ہے۔ اس نفسا نفسی کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے گھرانے ملیں گے جہاں کا ہر فرد آپس میں شیر و شکر کی طرح رہتا ہے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہتا ہے ایک دوسرے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے ایسا گھرانہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے وابستہ ہر فرد اپنے بہترین مستقبل کی آبیاری کے لیے سرگرداں رہے۔ خود میں اپنے قدم پر کھڑے رہنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ حتی الامکان کسی سہارے کا منتظر نہ رہے۔ اپنے طور پر اپنی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرتا رہے۔ اپنے خاندان میں کچھ اس طرح لگے کہ ہر فرد خاندان اس کی خوبیوں، اس کی نیکیوں اور اس کے عمدہ کردار کی مثال دیتا رہے۔ شائستہ گھرانے کے لوگ اپنے کنبہ کے تحفظ، اس کی ترقی کے لیے ایک دوسرے کے تعاون سے بھی مستتر کہ ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ہر فرد خاندان کی بہتری کے لیے دلچسپی رکھتے

ہیں تو بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے ہم نے ایسے خاندان بھی دیکھے ہیں جہاں افراتفری کا ماحول رہتا ہے ہر شخص اپنے آپ میں گم رہتا ہے خود غرضی، مطلب پرستی اور صرف اپنی بھلائی کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کرتا ہے اس طرح کا منفی عمل اچھے خاصے خاندانوں، سلجھے ہوئے کنبوں اور قابل مثال قبیلوں میں دراڑ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اپنے خاندان کے لیے رشید جاوید مثبت طرز حیات اور روشن فکر و خیال کے حامل سربراہ ہیں وہ اپنے خاندان کے تمام لوگوں کی ترقی اور ان کی بہتر زندگی کے لیے وقف ہو چکے ہیں رشید جاوید پیر و قبیر جلیل تنویر اور عبدالقدیر کے بڑے بھائی ہیں انہوں نے اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ گھر کے ہر فرد کی دل و جان سے خدمت کرتے رہتے ہیں نہ صرف اپنے گھر کی حد تک ہی ان کی خدمات لائق ستائش اور قابل تقلید نہیں بلکہ اپنے عزیز و اقارب کے لیے بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں ہے اپنے دوستوں اپنے احباب اور اپنے شناساؤں سے بھی ان کا سلوک پسندیدہ رہا کرتا ہے ان کی ہر ممکنہ مدد کے لیے ہمیشہ وہ تیار رہتے ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت انسانیت کے علمبردار ہیں عمدہ خصائل، اعلیٰ ظرفی اور جذبۂ خدمت خلق نے انہیں بہت زیادہ مقبول بنا دیا ہے رشید جاوید اپنے محکمہ (R.T.C) کے ٹریڈ یونین لیڈر تھے اب بھی ان کی سرپرستی ملازمین اور ملازمین کی لواحقین کو حاصل ہے اگرچہ کہ وہ اپنی خدمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن ان کے جذبۂ خدمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ گلبرگہ کی کئی علمی و ادبی تنظیموں، اداروں اور انجمنوں سے آج بھی وہ وابستہ ہیں لیکن نسبتاً اپنا زیادہ وقت تعلیمی اداروں الامین کے انتظامیہ کے نیستے دینے میں رشید جاوید کا

خاندان پولیس ایکشن کی سفاکانہ ضرب سے محفوظ نہ رہ سکا۔ تعلقہ ہمنابادمیں محلہ نقد خان بازار میں ان کا آبائی مکان تھا ان کے والد ماجد محمد قاسم تاجر تھے رشید جاوید کے ننھیال میں کچھ لوگ تجارت پیشہ تھے اور کچھ ملازم سرکار۔ ان کے نانا عبد المجید ایک اسکول کے صدر مدرس تھے ان کے حقیقی ماموؤں میں کچھ تجارت پیشہ بھی ہیں کچھ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ ان کے ایک ماموں عبدالسلام ریزروبنک آف انڈیا میں آفیسر تھے جو ریٹائیر ہو چکے ہیں مشہور شاعر علی الدین نوید اور وقار ریاض ان کے خالہ زاد بھائی ہیں رشید جاوید میری حقیقی ماموں زاد بہن کے بیٹے ہیں لیکن ہم اس طرح رہتے ہیں کہ رشتہ کی پاسداری برقرار رہتی ہے میں رشید جاوید کو اپنے حقیقی بھابخوں کی طرح چاہتا ہوں۔ رشید جاوید نے اپنی ذاتی شرافت ایمانداری اور محنت شاقہ سے معاشرہ میں اونچا مقام بنالیا ہے گلبرگہ کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی خاص طور پر مشہور شخصیتیں رشید جاوید کے نام اور کام سے واقف ہیں۔ رشید جاوید کو اردو زبان اور شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے لیکن وہ اپنا زیادہ تر وقت خدمت خلق کے لیے دیتے ہیں ۔اہل غرض ان کے پاس بلا تجھجک وقت آتے ہیں وہ ان کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں ضرورت مندوں کی مشکلات میں کام آتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ رشید جاوید اپنی نجی زندگی سے بے نیاز ہیں گھر کی تمام ذمہ داریوں کو بہ خوبی سنبھالتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ رشید جاوید کو ان کے گھر کے تمام لوگ بے حد چاہتے ہیں ان کی مصروفیات میں مخل نہیں ہوتے بلکہ ضرورت ہو تو ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں صدر خاندان ہونے کی حیثیت سے تمام بھائیوں اور افراد خاندان کے لیے سائبان بنے ہوئے ہیں۔ رشتوں کی پاسداری کرتے ہیں

اپنے بہترین سلوک سے لوگوں کے دل میں اپنا گھر بنا چکے ہیں۔ محتاط طریقۂ زندگی کے قائل ہیں۔ باوقار زندگی گزار رہے ہیں معاشرے میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ تو کسی سے اختلاف رکھتے ہیں اور نہ کسی کو شکایت کا موقع دیتے ہیں۔ رشید جاوید کی تعلیمی و فلاحی مصروفیات کے بارے میں جب امتیازی حیثیت سے ذکر آتا ہے تو مجھے بےحد خوشی ہوتی ہے۔
میری دلی خواہش ہے کہ رشید جاوید تاحیات پُرسکون انداز میں زندگی گزاریں۔

ڈاکٹر رزاق اثر

(شاہ آباد کے نامور شاعر۔ مخلص انسان)

جہاں تک میری معلومات ہیں ان ۴۰ برسوں میں شاہ آباد (گلبرگہ) کے شاعروں میں صابر شاہ آبادی کے بعد رزاق اثر کا نام نمایاں ہے۔ ویسے شاہ آباد میں اور بھی شاعر ہیں لیکن ایک ایسا شاعر جو ادبی رسائل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے وہ رزاق اثر ہی ہیں۔ رزاق اثر، صابر شاہ آبادی کے واحد شہرت یافتہ شاگرد ہیں چاہے آندھرا پردیش کے اضلاع ہوں کہ حیدرآباد دکن کے اضلاع۔ یوں تو تقریباً ہر ضلع میں کچھ شاعر ایسے رہے ہیں جو اپنے ضلع کا نام روشن کیے ہوئے ہیں جن کے نام سے ہی اُس مقام و علاقہ کی شہرت شعر و ادب کی دنیا میں ہوئی ہے صابر شاہ آبادی کا شمار تو اساتذۂ سخن میں تھا۔ رزاق اثر ایک سینیئر شاعر ہیں ان کے بھی تلامذہ ہوں گے جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ رزاق اثر کو میں تقریباً ۳۰ برسوں سے جانتا ہوں اُن سے گلبرگہ اور بسواکلیان کے بہت سے مشاعروں میں ملاقات ہوتی رہی ہے

رزاق اثر علاقہ کرناٹک کے نمائندہ شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اخبارات میں بھی ان کا کلام کئی برسوں سے شائع ہو رہا ہے رزاق اثر مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں ان کے پاس غزلوں کے ساتھ ساتھ نظموں کا بھی بڑا سرمایہ ہے ان کے ہاں موضوعاتی نظمیں بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں نعتیہ کلام بھی ان کی بیاضوں میں محفوظ ہے۔ رزاق اثر شاعری کی تمام اصناف میں بھی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں لیکن جو بات ان کی غزل میں ہے وہ دوسری اصنافِ سخن میں نہیں ملتی۔ ان کا نعتیہ کلام پورے عقیدت و احترام کے ساتھ دل و دماغ کو معطر کرتا رہتا ہے مسائلی اشعار خاص طور پر حالاتِ حاضرہ سے تعلق رکھتے ہیں جو پُراثر ہوتے ہیں رزاق اثر چار بار رنگ میں بھی شعر کہتے ہیں لیکن غزل کی محبت میں وہ دیگر اصنافِ سخن سے بھی اس لیے رشتہ رکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح شاعری کی متنوع وسعت کا اندازہ دلاتے رہیں۔ رزاق اثر صاحب تحت میں کلام سناتے ہیں میں نے مشاعروں میں انہیں تحت میں کلام سناتے ہوئے ہی دیکھا ہے بہت ممکن ہے نجی محفلوں میں ترنم میں کلام سناتے ہوں یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے انہیں گنگناتے ہوئے بھی دیکھا ہے رزاق اثر صاحب کا مطالعہ صرف کلاسیکی شعری ادب تک محدود نہیں ہے عصری شاعری کے رموز و نکات سے بھی واقف ہیں اور اس بات سے بھی واقف ہیں کہ شاعری میں کس کس طرح تجربے کیے جا رہے ہیں ان تجربات سے وہ خود بھی گزر رہے ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قطعات،

رباعیات کے ساتھ ساتھ ترائیلے اور دیگر اصناف میں بھی شعر ملتے ہیں
لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار صرف ان کی غزلوں اور نظموں میں
ہوتا ہے سیاست میں ان کی بیشتر غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی شائع
ہوئی ہیں ان کا کلام چونکہ قابل اعتنا رہتا تھا اس لیے سیاست میں
مسلسل جگہ پاتا رہا۔ اضلاع کے بیشتر شاعروں کا کلام میری نظر سے گزرتا تھا
ان شاعروں میں رزاق اثر کا کلام بھی زیادہ متوجہ کرتا تھا ماہنامہ خوشبو کا سفر میں
ان کا کلام خصوصی موقف کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رزاق اثر کا وطن
شاہ آباد ہے ۲۲ جولائی ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۹ء سے شعر کہتے
ہیں گزشتہ ۴۰ برسوں سے ماہناموں، روزناموں اور ہفتہ وار اخبارات
میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ ۳۰ برسوں سے آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ سے
ان کا کلام نشر ہو رہا ہے ان کا مجموعہ کلام نسیم شب کے نام سے ۱۹۹۰ء میں
شائع ہوا۔ بتعاون کرناٹک اردو اکیڈیمی۔ دوسرا مجموعہ کلام سفر و سنگ
۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آیا۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ بیاض غنا زیر اشاعت ہے
نظموں کا بھی ایک مجموعہ زیر ترتیب ہے رزاق اثر سے میری پہلی ملاقات غالباً
۳۵ برس پہلے صابر شاہ آبادی کی معرفت ہوئی تھی رزاق اثر نہایت خلیق
متوازن طبیعت کے نفیس انسان ہیں مجھ سے دیرینہ شاعرانہ مراسم ہیں۔
کچھ برس پہلے شاہ آباد میں شاندار پیمانے پر شہریان شاہ آباد کی جانب سے
"جشن رزاق اثر" کا اہتمام کیا گیا تھا اضلاع کرناٹک خاص طور پر گلبرگہ کے تقریباً
تمام منتخب شاعروں نے شرکت کی تھی ادبی تقریب و مشاعرہ اُن کے شایانِ شان

پیمانے پر منعقد ہوا تھا۔ حیدرآباد سے میرے علاوہ رئیس اختر مدعو تھے
جشن کی تقریب کے لئے ہم دونوں نے حیدرآباد کا ایک بہت باوقار
مشاعرہ چھوڑ دیا تھا چونکہ ہم نے شرکت کا وعدہ کیا تھا جشن کی شام راشٹرپتی
نیلائم سکندرآباد میں زیر سرپرستی صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما
مشاعرہ منعقد ہوا تھا رزاق اثر صاحب پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں
جن کی مسیحائی شہرت بھی ان کی شاعری کی طرح پھیل چکی ہے وہ جتنے اچھے
شاعر ہیں اتنے ہی اچھے ڈاکٹر بھی ہیں کرناٹک کے ایک مشہور تعلقہ بسواکلیان
میں حضرت سید احمد شاہ اعجازی کے عرس شریف کے سلسلے میں منعقدہ
نعتیہ مشاعرہ میں کئی برسوں سے ملاقات ہو رہی ہے طرحی نعتیہ مشاعرے
ہوتے ہیں ایک عرصے تک بلکہ تادم حیات صابر شاہ آبادی عرس شریف
تقاریب کے نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرنے لئے صابر شاہ آبادی میرے
بہت ہی اچھے شاعر دوست تھے اُس دور کے گلبرگہ کے سینئیر شاعروں
میں سُرور مرزائی، عبدالرحیم آرزو، ڈاکٹر راہی قریشی اور سلیمان خطیب کا
بڑا شہرہ تھا اُسی زمانے میں عطا کلیانوی اور رشید احمد رشید (بیدر)
اور حکیم جمالی بھی کافی مشہور شاعر رہے ہیں اُن تمام سے میرے گھرے
شاعرانہ روابط رہے ہیں۔ رزاق اثر اس سلسلے کی دوسری کڑی ہیں اپنے دور
کے اچھے شاعرانہ ماحول کے اچھے شاعر ہیں رزاق اثر مشاعروں کی تہذیبی
روایات سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں جن قلم کاروں نے اپنے فکر و فن کی
غیر معمولی خدمت انجام دی ہے انہیں نہ صرف حکومت وقت سے بلکہ شعر و ادب

سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں کی جانب سے بھی نوازا جانا چاہیئے عام طور پر ادبی سرگرمیوں سے ایسے ہی لوگ وابستہ رہتے ہیں جنہیں زبان و ادب سے دلچسپی رہتی ہے لیکن اس بات کا اطلاق تمام وابستگان زبان و ادب پر پوری طرح نہیں ہوتا۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کچھ لوگ صرف اپنے نام و نمود کے لئے اعلیٰ سطح کی انجمنوں سے جڑے ہوئے رہتے ہیں جن کی وجہ سے باوقار ادبی انجمنوں کی کارکردگی پر حرف آجاتا ہے بہت ممکن ہو یہ بات اضلاع کی ادبی انجمنوں میں کم ہو لیکن شہر کی انجمنوں میں متضاد ذہن و فکر رکھنے والے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے پھر بھی کاروان ادب رواں دواں ہے اوسط درجہ کا قد رکھنے والے شاعروں کا بھی قد آور شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے ہر شاعر یا فن کار کو جتنی بھی شہرت ملتی ہے وہ ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وسائل کی فراوانیوں سے بھی اور زور قلم کی مرہون منت رہتی ہے ہمارے نقادوں اور مبصرین نے بعض ایسے قلم کاروں کو بھی منظر عام پر لایا ہے جن کی شعری و ادبی خدمات ادب کا ایک اہم حصہ بن چکی ہیں شعر و ادب کے معاملات میں اچھے ماحول کو بہت زیادہ اہمیت ہے جو شاعر و ادیب معقول حلقۂ دانشوران کا حصہ بنے رہتے ہیں وہ ارتقائی منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں وہ لوگ جو شعر و ادب کی سرگرمیوں سے وابستہ رہتے ہیں وہ بہ آسانی ایسے قلم کاروں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا مستقبل روشن ہے اور جو اپنے وقت کے اہم قلم کار سمجھے جاتے ہیں ۔ ملک کے ہر خطہ میں بہت سے ایسے شاعر و ادیب موجود ہیں جو توجہ چاہتے ہیں اور بہت سے ایسے شاعر و ادیب بھی موجود

ہیں جو ادو معاشرہ کی عدم توجہ کا شکار ہو چکے ہیں ویسے بھی معقول اہلِ قلم حضرات ادب میں توڑ جوڑ کی سیاست سے بہت دُور رہتے ہیں اور جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی گم نامی کی چادر میں لپٹے ہوتے رہتے ہیں رزاق اثر شعری و ادبی دنیا میں احساسِ برتری رکھنے والے شاعر ہیں نہ ہی احساسِ کم تری میں مبتلا رہنے والے شاعر ہیں وہ متوازن طرزِ زندگی اور میانہ روی کو اپنی کامیاب زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں رزاق اثر صاحب ایک ایسے شاعر ہیں جن کی شاعرانہ عظمتوں کو پیش کرنا ضروری تھا میں نے اپنی محدود معلومات کے باوجود جن باتوں کو ضبطِ تحریر میں لایا ہے وہ قارئین کی معلومات میں یقیناً اضافہ کا باعث ہوگی۔ ایک اچھے شاعر، ایک اچھے دوست کے بارے میں لکھنے سے ایک گونہ مسرت محسوس ہوتی ہے۔ میں رزاق اثر کے فن اور شخصیت پر خامہ فرسائی کے دوران بہت زیادہ مسرت محسوس کرتا رہا۔ یقیناً ڈاکٹر رزاق اثر کا نام صابر شاہ آبادی کے ساتھ نہ صرف شاہ آباد بلکہ سارے گلبرگہ کے لئے باعثِ افتخار ہے۔

پروفیسر جلیل تنویر

(تنویرِ فکر و خیال، ذہین و فطین اُستاد و قلم کار)

جب کبھی بھی منہ زور آندھیاں چلتی ہیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ ڈھلنے لگتا ہے۔ سیلاب رواں کی زد میں سب کچھ بہہ جاتا ہے اور ایسا بہت کچھ ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ کائنات کا چکر یہ کچھ اس طرح چلتا رہتا ہے کہ جہاں شہنائیاں بجتی ہیں وہاں ماتم بھی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ غم زدہ ماحول کے اندر سے پُر مسرت لمحوں کی شروعات بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس شخص کی زندگی میں کب اور کس وقت کیا ہونے والا ہے لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کل تک فرش نشین تھے آج مسند نشین بن گئے ہیں اور جو لوگ آسمانوں میں اُڑا کرتے تھے وہ زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ وہی شخص ایک کامیاب انسان کہلاتا ہے جو ہر قسم کے حالات کا پورے حوصلے و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتا رہتا ہے تبدیلیٔ

ہوئے صحراؤں میں رہ کر بھی ٹھنڈی چھاؤں کا متمنی رہتا ہے
اپنی زندگی کے خد و خال کو سنوارنے کا ہنر جاننے والے لوگ روشن مستقبل
کے لئے بلا تکان مصروفِ عمل رہتے ہیں ناگفتہ بہ حالات اور آگ کے
دریا سے گزرنے والے باہمت لوگوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ لیکن
یہ توقع رکھنا کہ انسانی زندگی کا ہر لمحہ گل فشاں فضاؤں کے ہم رکاب
رہا کرتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے مل ہی جاتے ہیں جو اپنی
زندگی کے ہر لمحہ کو خوش آئند، خوشگوار اور پیار آور بنا ہی لیتے ہیں۔ ان
کیفیات کے آئینہ دار جلیل تنویر بھی ہیں جن کی ابتدائی زندگی دھوپ چھاؤں
کے درمیان گزرتی رہی۔ جہاں ملک کی تقسیم کے ہولناک فسادات نے
معصوم و بے گناہ لوگوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا ہے وہیں حیدر آباد
کے پولیس ایکشن کی تباہ کاریوں نے بے شمار بے خطا مسلمانوں کو تباہ و برباد
کیا۔ جلیل تنویر اور ان کے اہلِ خاندان بھی پولیس ایکشن کے جابرانہ و ظالمانہ
تشدد کا شکار رہے۔ ان کے والدِ محترم محمد قاسم شہید ہوئے۔ اُس وقت
کے نہایت ہی فرقہ پرست، جابر مسلم دشمن وزیرِ داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل
نے حیدر آباد کی تہذیبی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے حیدر آباد پر پولیس
ایکشن کروایا تھا۔ جو پولیس ایکشن نہیں اصل میں ملٹری ایکشن تھا۔
سردار ولبھ بھائی پٹیل نے جبراً حیدر آباد دکن کو انڈین یونین میں ضم
کرنے کے لیے پولیس ایکشن کروایا تھا۔ جس کا آغاز ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء سے ہوا
۱۷ ستمبر کو ختم ہوا۔ والیٔ ریاست حیدر آباد دکن نواب میر عثمان علی خان نے

۱۷ ستمبر کو اپنی ریاست انڈین حکومت کے حوالے کی۔

جلیل تنویر ۳۱ مارچ ۱۹۴۹ء کو تعلقہ ہمنا آباد (ضلع بیدر) میں پیدا ہوئے جو ریاستوں کی تقسیم سے پہلے حیدر آباد دکن کا ایک حصہ تھا ان کے والد محترم محمد قاسم صاحب تجارت پیشہ شریف آدمی تھے نہایت شریف الطبع، با مروت، ہمدرد انسان تھے۔ جلیل تنویر رشتے میں میرے بھانجے ہوتے ہیں ان کی والدہ میرے حقیقی ماموں عبد المجید صدر مدرس کی دوسری بیٹی تھیں۔ میں بچپن میں اپنی بہن سے ملنے کے لیے ان کے گھر محلہ نور خاں اکھاڑا جایا کرتا تھا جن کا مکان مسجد نور خاں اکھاڑے کی مسجد سے متصل تھا۔ رمضان اور بقر عید کی نماز اکھاڑا عیدگاہ میں ہوتی تھی نماز عید کے بعد اپنے گھر تلہ گھر توڑ جانے سے پہلے محلہ نور خاں بازار سے گزرتے ہوئے اپنی بہن کو عید کا سلام کرنے کے لیے جایا کرتا تھا ان سے ملنے کے بعد محلہ توپ گلی میں اپنی حقیقی بہن سے عید ملنے کے لیے جاتا۔ یہ دونوں محلے قریب قریب تھے ان دونوں محلوں کے درمیان صرف ایک فصیل حائل تھی۔ جلیل تنویر کی والدہ میری والدہ کی چھوٹی بھانجی تھیں مجھے یاد ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ماموں کے ہاں موضع نلی کھیڑ (ضلع بیدر) دو بیل کی بنڈی میں بیٹھ کر گیا تھا جہاں وہ ایک مدرسہ میں استاد تھے مجھے اپنے بچپن کی بہنوں کی محبت یاد ہے۔

محی الدین نوید اور وقار ریاض جلیل تنویر کی بڑی خالہ کے بیٹے ہیں۔ جلیل تنویر کی تعلیم ان کے دادا کی زیر نگرانی ہوئی۔ ان کی وفات

کے بعد اُن کے بڑے بھائی رشید جاوید نے ان کی سرپرستی کی۔ جلیل تنویر کے ایک اور بڑے بھائی عبد القدیر ہیں جو شیخ روڈ ٹرانسپورٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جلیل تنویر کے اہل خاندان نے ہمنا باد سے گلبرگہ منتقل ہونے کے بعد گلبرگہ کو وطنِ ثانی بنالیا۔ گلبرگہ میں تعلیم جاری رکھی کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ۱۹۷۳ء میں اُردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد شموگہ میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ کالج گلبرگہ میں اُردو کے لکچرر ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں پروفیسر سید محمد کی ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ کر ڈگری لی۔ ڈاکٹر قیوم صادق ان کے گائیڈ تھے۔ جلیل تنویر کو گلبرگہ یونیورسٹی نے حال ہی میں ریسرچ گائیڈ مقرر کیا ہے۔ ان کے زیر نگرانی تین طلباء پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ جلیل تنویر افسانہ نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ وہ اپنے افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں ترقی پسند افسانہ نگاروں کرشن چندر، بیدی اور منٹو وغیرہ سے بے حد متاثر رہے۔ کالج کی طالب علمی کے دور سے ہی انہیں افسانہ نگاری کا شوق تھا ان کے افسانوں کا مجموعہ "حصار" ۱۹۸۳ء میں زیر اہتمام ادارہ شعر و حکمت حیدر آباد شائع ہوا۔ "حصار" کو اُردو اکیڈیمی کرناٹک نے انعام سے نوازا۔ جلیل تنویر اپنی بہترین تدریسی صلاحیتوں کی وجہ سے طلباء میں کافی مشہور ہیں۔ گلبرگہ اور ملک کے بعض مقامات پر ہونے والے سیمناروں، سمپوزیم اور ادبی جلسوں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ ان کے ادبی مضامین اخبارات اور

ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ "خوشبو کا سفر" میں بھی ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جلیل تنویر کو مشاعروں میں کلام سنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے شاید ہی کسی مشاعرہ میں کلام سنایا ہو ان کا زیادہ تر وقت علمی، ادبی، تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا رہتا ہے۔ میرے بھائیوں میں علی الدین نوید اور وقار ریاض کی طرح جلیل تنویر بھی شعر و ادب کی محفلوں میں شہرت رکھتے ہیں ــــ میں ان کے روشن مستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔

تنویر واحدی

(مقبول شاعر۔ بہترین دوست۔ اچھا انسان)

جن شاعروں کے ساتھ میں نے بیسیوں مشاعرے پڑھے ہیں ان کے عادات و اطوار، ان کے اندازِ گفتگو، ان کے شاعرانہ رویوں اور ان کی شاعرانہ فکر و خیال سے کما حقہٗ واقفیت رکھنا کوئی نئی بات نہیں ہے البتہ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کی معاشرہ میں کیا قدر و قیمت ہے، کس طرح معاشرہ ان کی پذیرائی کرتا ہے؟ کس طرح انسانی رشتوں کے پس منظر میں ان کی اہمیت [illegible] ہے؟ ویسے بھی مراسم کی ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد کچھ لوگ اس طرح ظاہر ہو جاتے ہیں کہ ان کا وجود ایک کرشمہ کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے یا تو ان کی بے شمار خوبیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں یا بہت سی خامیاں منظرِ عام پر آجاتی ہیں اور غیر متوقع طور پر یہ سب کچھ ہو جاتا ہے ـــــ ایک اچھا خاصا انسان، اجالوں کا سفر طے کرتے ہوئے تاریک راہوں پر چل پڑتا ہے، صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے میڑھے راستوں

سے گزرنے لگ جاتا ہے ایسی کیفیت اسی وقت طاری ہو جاتی ہے جب
مستقل مزاجی ہیں یا تو تنوع پیدا ہو جاتا ہے یا متزلزل خیالات اپنے
پاؤں پھیلانے لگتے ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف اجالوں اور
روشنی کی کرم فرمائیوں سے ہی انسانی رشتے سنورتے رہتے ہیں ہر وہ شخص
جو اجالوں اور روشنی کی اہمیت سے واقف ہے اُس کی بعض حرکات و سکنات
عادات و اطوار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زندگی دھوپ چھاؤں سے
عبارت ہے اجالوں اور اندھیروں کی ایسی آمیزش سے ہی انسان اپنی
شخصیت کو بہتر انداز سے سنوارتا ہے۔ اجالے اندھیرے اس کی زندگی کے خدوخال
میں رنگ بھرتے ہیں اندھیروں اور اجالوں کے امتزاج سے یہ مطلب نہیں نکالا
جانا چاہیے کہ نیکیوں کے ساتھ برائیوں کو بھی جزو زندگی سمجھا جائے۔ کہنے کا مطلب
یہ ہے کہ راحتوں اور آسائشوں میں زندگی گزارنے والے لوگ، ایک مخصوص قسم
کے ماحول میں گھرے رہتے ہیں ہر شئے تغیر و تبدل سے گزرتی رہتی ہے
آسائشوں کے ساتھ مشکلات سے بھی گزرنا شخصیت کی نشو و نما کے لیے بے حد
ضروری ہے کسی شخص سے پہلی یا دوسری ملاقات کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا
ہے کہ وہ شخص سراپا خلوص، نہایت پاک و صاف ذہن و فکر کا مالک ہے
مراسم و روابط کے آئینہ خانوں میں ایک دوسرے کی شخصیت کو جاننے اور
پہچاننے کا کے مواقع ملتے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک اجنبی شخص
جو دوستی کے دائرہ میں ہے وہ کتنے عرصے تک اپنی رفاقت کو باقی رکھے گا
کچھ لوگ پہلی ملاقات میں ہی کچھ ایسا تاثر چھوڑ جاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے

کہ اس شخص سے برسوں سے ملاقات ہے کس منفعا د تمہیدی خیالات کی روشنی میں، مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ تنویر واحدی کس زمرہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ میں نے تنویر واحدی کے مختلف رنگ دیکھے ہیں لیکن ان تمام رنگوں میں مجھے سب سے گہرا رنگ بے لوث دوستی کا نظر آیا۔ تنویر واحدی نے دشمنی کی نوک ہی نہیں۔ جفا و جفار کے مرحلوں سے بھی گزرے نہیں لیکن ایک بات بے داغ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ میں نے تنویر واحدی کو ہر ملاقات میں کھلے دل و دماغ اور دوستی کے قابل انسان پایا۔ تنویر واحدی نظام آباد میں رہتے ہیں وہی نظام آباد جو ہر دور میں شعری و ادبی سرگرمیوں کے لیے سرگرم عمل رہا ہے وہی نظام آباد جہاں کے لوگ وارفتگی، دلبستگی، شائستگی اور بے لوث رشتوں کے آئینہ دار ہیں۔ تنویر واحدی کا اصل نام سید محمد علی ہے ادبی نام تنویر واحدی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۴ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۶ء میں پی یو سی کامیاب کیا۔ محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ ہیں نظام آباد کے ایک قدیم ادبی انجمن دائرہ ادب اور ادارۂ ادب کے معتمد ہیں تا حال ان کے دو شعری مجموعے بیاضِ فکر (۱۹۸۲ء) اور لفظوں کی آگ (۱۹۹۸ء) شائع ہو چکے ہیں۔ تنویر واحدی سے میری شاعرانہ دوستی کی ایک طویل مدت ہے زائد از ۳۵ برس سے ہم میں دوستی ہے اور ایسی دوستی جس میں جذبۂ خلوص و مروت ہے ایسی دوستی جس میں انسانی رشتوں کے اقدار نمایاں ہیں۔ تنویر واحدی انتہائی مخلص انسان ہیں یقیناً وہ میری طرح اپنے تمام دوستوں سے والہانہ وابستگی رکھتے ہوں گے۔ نظام آباد

میرے لیے نیا نظام نہیں ہے نظام آباد سے میں تقریباً ۴۰ برس سے واقف ہوں مشاعروں کی وساطت سے۔ وہاں کے لوگوں کی شائستہ طرزِ حیات سے بھی واقف ہوں۔ نظام آباد کے مشاعروں میں میں لگ بھگ ۴۰ برسوں سے شرکت کر رہا ہوں۔ میں نے نظام آباد میں بے شمار مشاعرے پڑھے ہیں نظام آباد کے ایک تعلقہ بودھن میں بھی کئی مشاعروں میں شرکت کر چکا ہوں میرے چالیس سالہ دورِ شاعری میں نظام آباد کے شاعروں میں صرف تین شاعروں سے مجھے زیادہ دلبستگی رہی۔ وہ تین نام یہ ہیں۔ مرزا وحید بیگ جمیل نظام آبادی اور تنویر واحدی۔ تنویر واحدی کو میں ۴۰ برسوں سے کلام سناتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہوں۔ ان کی شاعرانہ قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہوں۔ ان کی شائستگیٔ مزاج اور پاک طینت سے متاثر ہوں۔ تنویر واحدی چاہے، جانے والی شخصیت ہیں یقیناً لوگوں نے ان سے مراسم رکھنے میں کبھی بھی تامل نہیں کیا ہوگا اس لیے کہ ان کا وجود دوسروں کے لیے ضرر رساں نہیں ہے بلکہ ان کی دوستی سے دل و دماغ کو تر و تازگی اور فرحت حاصل ہوتی رہتی ہے ان تینوں شاعروں میں بعض خصوصیات مشترکہ بھی ہیں بعض الگ الگ بھی۔ اس کے باوجود یہ تینوں شخصیتوں نے مجھے اپنے خلوص میں محصور رکھا۔ تنویر واحدی کا شاعرانہ لب و لہجہ فا ہی دسامع کو پوری طرح اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں ان کی شاعری کا رشتہ کلاسیکی شاعری سے بھی برقرار ہے۔ ان ۴۰ برسوں میں شعر و سخن کے میدان میں نئے نئے لوگ آئے

اور اپنی اپنی صلاحیت، قابلیت و حیثیت کے موافق اپنے شاعرانہ وجود کا احساس دلاتے رہے لیکن بہت سے شاعر نمایاں نہ ہو سکے۔ تنویر واحدی یار باش، دوستی کے قابل انسان ہیں ان سے دوستانہ و شاعرانہ مراسم برقرار رکھتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے تنویر واحدی کی حیا کمیت بھی ان کی شخصیت کے تعین میں معاون ثابت ہو چکی ہے نحیف، دبلا پتلا شخص اپنے دوستوں میں الگ پہچانا جاتا ہے اپنے درمیانی قد کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اعلیٰ دماغی طاقت کی وجہ سے، اپنی بلندیٔ فکر و خیال کی وجہ سے اپنے روشن خیالات کی وجہ سے، آئینہ مثال دل گداختہ کی وجہ سے۔ تنویر واحدی کی شاعری سننے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کمزور جسامت کے باوجود بھاری بھر کم آواز میں شعر سناتے ہیں تو ساری محفل متوجہ ہو جاتی ہے جہاں وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں وہیں بہترین ناظم مشاعرہ بھی۔ ان کی نظامت میں میں نے کئی مشاعرے پڑھے ہیں دوران مشاعرہ اپنی اعلیٰ درجہ کی نظامت کا عمدہ مظاہرہ کرتے ہیں جو محفل مشاعرہ کو جمانے کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے جدید لب و لہجہ کا شاعر کہہ کر میں انہیں شاعری کے ایک مخصوص زمرہ میں محصور کرنا نہیں چاہتا۔ ان کی شاعری تو بہتی ہوئی ندی کی طرح ہے جو تمام اذہان کو سیراب کرتی ہوئی چلی جاتی ہے کلاسیکی شعری ادب سے رشتہ ہونے کی وجہ سے وہ زبان و بیان اور شاعری کے رموز و نکات سے واقفیت کا احساس دلاتے ہیں ان کے اشعار فنی خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی شاعرانہ زندگی میں بے شمار ایسے شاعروں کو دیکھا ہے

جو صرف مشاعروں کی حد تک ہی اپنی پہچان بنا سکے۔ تنویر واحدی کے علاوہ اضلاع کے شاعروں میں "گونج" کے مدیر جمیل نظام آبادی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ جن کے رسالے کے ذریعہ بہت سے اضلاع کے شاعروں کے بارے میں ادبی دنیا کم سہی واقفیت رکھتی ہے خاص طور پر حیدرآباد دکن کے اہل ذوق حضرات اضلاع کے شاعروں اور ان کے کلام سے واقف ہیں جمیل نظام آبادی اور تنویر واحدی آپس میں بہت اچھے دوست ہیں دونوں نے ایک ساتھ اپنے شاعرانہ سفر کو جاری رکھا۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ یہ دونوں شاعر دوسرے کچھ اور نظام آباد کے شاعروں کے ساتھ ساتھ نظام آباد کی ادبی و شعری فضا کو باقی رکھنے میں مصروف رہا کرتے ہیں مجھے تنویر واحدی کی شخصیت اور ان کے شاعرانہ رتبہ سے مجھے والہانہ وابستگی ہے میری یہ خواہش ہے کہ میرا یہ شاعر دوست شعری و ادبی حلقوں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے شاعرانہ وجود کا احساس دلاتا رہے اور اپنی شاعرانہ عظمتوں کے تسلسل کو جاری رکھے۔ موسم بہار کی سرسبز و شاداب عنایتوں کی طرح۔

عقیل اسعد

(جدید لب و لہجے کے پسندیدہ شاعر)

میں نے اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سالہ ادبی زندگی میں بیسیوں شاعروں کو اُن کے فن کے آئینے میں دیکھا ہے اُن کی شاعرانہ قدر و قیمت کو پرکھا ہے ان کے شاعرانہ رویوں کا جائزہ لیا ہے اُن کے اسلوب اور اُن کے لب و لہجے کا تجزیہ کیا ہے کچھ شاعروں کا کلام سرسری طور پر پڑھا رہا تو کچھ شاعروں کے کلام کا بہ غائر مطالعہ کیا ہے۔ دورانِ مطالعہ بعض شاعروں کے کلام نے مجھے اس قدر متوجہ کیا کہ میں اُن کے کلام کی روح کی گہرائیوں تک پہونچ چکا ہوں۔ جب کوئی شاعر اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کو نفس مضمون و قلم کی زینت بناتا ہے تو باذوق، صاحب فہم و ادراک شخص کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے فن کا صدق دل کے ساتھ اعتراف کرے۔ خود میں بھی تمام اہلِ قلم کی کتابوں کو پوری طرح نہیں پڑھتا۔ اپنے ذوق کے مطابق کچھ منتخب تخلیقات ہی میرے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعری کو سرسری

طور پر پڑھنا چاہیے اور ان اشعار نے بے شعور وقتوں کی ضرورت ہے کوئی بھی تخلیق نہیں ہوتی وہ اپنے خالق کی نظر میں خوبصورت اور آئینہ مثال ہوتی ہے لیکن جب کوئی مبصر یا تجزیہ نگار کسی خالق کی پسندیدہ تخلیقات کا جائزہ لیتا ہے تو خالق کی اور قاری کی پسند کا ایک الگ الگ پیمانہ رہتا ہے خالق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ فن تخلیق کرے اس کو اس بات کی فکر نہیں رہتی کہ اس کے فن کے ساتھ مبصرین و نقاد کیا سلوک کرتے ہیں اور اس کے فن کے قاری کس انداز سے پذیرائی کرتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اعلیٰ درجہ کا باظرف تخلیق کار کبھی اس فکر میں مبتلا نہیں رہتا ہے کہ اس کے فن کی شعر و ادب میں کیا قیمت لگائی جا رہی ہے ایسے ہی بے نیاز شاعروں میں میں نے عقیل اسعد کو پایا ہے۔ عقیل اسعد کی شاعری ان کے ہم عصر تمام شاعروں کے مقابلے میں اپنے ایک مخصوص لب و لہجہ کے سبب الگ پہچانی جاتی ہے اور ان کا ہر شعر داد و تحسین حاصل کرتا رہتا ہے عقیل اسعد ترمل کے سینیئر اور سب سے زیادہ شہرت رکھنے والے شاعر ہیں۔ میں انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے اس وقت سے جانتا ہوں جس زمانے میں وہ ترمل میں ہونے والے مشاعروں کے سلسلے میں کلیدی رول ادا کرتے تھے یہی کوئی ۳۰، ۳۵ برس پہلے کی بات ہے) میں نے عقیل اسعد کو ترمل کے ایک یادگار مشاعرہ میں سنا تھا مشاعرہ کی صدارت پی نرسا ریڈی سابق ریاستی وزیر کر رہے تھے سابق صدر نشین قانون ساز کونسل سید مکرم شاہ مہمانِ خصوصی تھے مشاعرہ گاہ شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والے محبانِ اُردو سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ مشاعرہ گاہ کے باہر بھی کافی لوگ کھڑے ہیں اور

مختلف شاعروں کے کلام سے محفوظ ہو رہے ہیں اُس مشاعرہ میں عقیل اسعد کے والدِ محترم ابوسعید کے مجموعۂ کلام "سوز و ساز" کی رسم اجراء انجام پائی تھی۔
عقیل اسعد نے ایک جواں سال شاعر کی حیثیت سے مجھے متاثر کیا تھا اُن کے کلام پڑھنے کا انداز اور ان کا شاعرانہ لب و لہجہ مجھے بے حد پسند آیا۔ انہوں نے اپنی غزل نحت میں سنائی تھی آج بھی وہ نحت میں ہی کلام سناتے ہیں عقیل اسعد کو شاعری ورثے میں ملی ہے وہ ایک ہفت روزہ "میزانِ نظر" کے ایڈیٹر بھی ہیں وہ اضلاع کے مشاعروں میں بھی بہت کم شرکت کرتے ہیں اضلاع کے مختصر شاعروں میں جدید رنگ کے شاعروں میں اقبال شیدائی، جمیل نظام آبادی مرزا معود تنویر واحدی، جامی وجودی جیسے با صلاحیت شاعر موجود ہیں ان تمام شاعروں میں عقیل اسعد بھی اپنے مخصوص شاعرانہ لب و لہجے کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔
عقیل اسعد مشاعروں میں ہمیشہ منتخب شعر سناتے ہیں ان کے سنانے کا انداز اس قدر پُر اثر ہوتا ہے کہ ساری محفل متوجہ ہو جاتی ہے وہ مشاعروں کے کامیاب شاعر ہیں عقیل اسعد نظام آباد کے ایسے مشاعروں میں جو نظام آباد کے نامور شاعر جمیل نظام آبادی کے زیرِ انتظام ہوتے ہیں لازماً شرکت کرتے ہیں اضلاع کے کچھ اور مشاعروں میں بھی میں نے انہیں دیکھا ہے۔ میں نے انہیں حیدر آباد کے بعض اہم مشاعروں میں مدعو کیا اور مدعو کرتے رہتا ہوں اس لیے کہ عقیل اسعد میرے ہی نہیں حیدر آباد کے شعری و ادبی حلقوں کے پسندیدہ شاعر ہیں عقیل اسعد کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں حیدر آباد کی ایک فعال انجمن [illegible] نظر کی جانب سے ایک اہم ادبی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں انہوں نے اپنی منتخب

غزلیں سنا کر ساری محفل کو اپنے احساسات و جذبات میں شامل کیا تھا تقریباً ۳۵ برس سے شعر کہہ رہے ہیں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے پاس کتنے مجموعوں کا کلام موجود ہوگا لیکن یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ ان کے منتخب کلام کا مجموعہ بہت جلد شائع ہونے والا ہے جب کسی شاعر یا ادیب کی کتاب شائع ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے میری نظر میں بعض اعلیٰ درجہ کے شاعر و ادیب ایسے ہیں جو اپنی تساہلی اور اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے اپنی کتابوں کی اشاعت کے لیے دلچسپی نہیں لیتے۔ لیکن یہ بات قابل طمانیت ہے کہ حیدرآباد، اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدرآباد دکن کے بیشتر قلم کاروں کی کتابیں شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔
عقیل اسعد نرمل کی اُردو زبان و ادب سے والہانہ دلبستگی رکھنے والی شخصیت سابق ریاستی وزیر جناب پی نرسا ریڈی سے کافی قربت رکھتے ہیں نرسا ریڈی صاحب عقیل اسعد کو بہت چاہتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے وطن نرمل میں ایک ایسا شاعر بھی موجود ہے جو نرمل کا نام شعر و ادب کی دنیا میں روشن کر رہا ہے خود نرسا ریڈی صاحب نے مجھ سے ایک ملاقات میں اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا تھا انھیں عقیل اسعد کی شاعرانہ قدر و قیمت کا اعتراف ہے عقیل اسعد کے والدِ محترم ابو سعید سعید بھی نرسا ریڈی صاحب کے اچھے دوست رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اضلاع کے شاعروں میں جمیل نظام آبادی، عقیل اسعد کے بہت ہی قریبی دوست ہیں اور یہ بات میں برسوں سے محسوس کر رہا ہوں مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ

ان کے دل کے ایک گوشے میں تنویر واحدی کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے۔ عقیل اسعد بڑے شاعر ہیں جو لوگ خالص شاعر ہوتے ہیں ان کی زندگی کے طور وطریق عام لوگوں سے کچھ ہٹ کر رہا کرتے ہیں عقیل اسعد چونکہ ایک فطری شاعر ہیں اس لیے فن سے محبت رکھتے ہیں، وہ انسانی رشتوں کے قدرشناس ہیں بامروت و ہمدرد انسان ہیں طرحدار اور پُر وقار شخصیت کے حامل ہیں، ایماندار اور دوستی کے قابل انسان ہیں دوستی میں سب کچھ قربان کرنے والی شخصیت ہیں، ہمدرد اور باکردار انسان ہیں۔ عقیل اسعد سے جب کبھی میری ملاقات رہی میں نے انہیں نہایت پُر خلوص، خوش مزاج خوش اطوار خوش گفتار اور شاعرانہ مزاج کا آئینہ دار صاف گو اور سیدھا سادہ دوستی کے قابل انسان پایا ہے عقیل اسعد سے میں بہت کم مشاعروں میں ملتا رہا ہوں البتہ نرمل کے مشاعروں کے علاوہ نظام آباد کے مشاعروں میں ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ وہ مجھے ایک با اعتماد ساتھی سمجھتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ نرمل کے مشاعروں میں حیدرآباد کے شعراء کے انتخاب اور انہیں مدعو کرنے کی مجھے کلیتاً ذمہ داری سونپتے ہیں۔ انہیں یقین رہتا ہے کہ میں وعدہ کا پابند ہوں اور معیاری و نمائندہ شاعروں کے ساتھ مشاعرہ میں شریک رہتا ہوں۔ عقیل اسعد نے بحیثیت جنرل سکریٹری شمع ادب حیدرآباد کے بعض اہم شاعروں کو سالانہ مشاعرہ میں تہنیت پیش کی جن میں قابل ذکر ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس اختر، عزیز بھارتی، اشرعتوری شامل ہیں ایک سالانہ مشاعرہ میں مجھے بھی انہوں نے عزت بخشی تھی۔

نرمل کے شاعروں کے داعیان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم حضرات بھی دلچسپی لیتے ہیں خاص طور پر وہاں کے سیاسی قائدین کا انھیں تعاون حاصل رہتا ہے شعراء کے قیام و طعام، ان کی آمد و رفت اور ان کے نذرانہ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے عقیل اسعد نرمل کی با اثر شخصیت ہیں اچھے خاندان کے اچھے فرد ہیں۔ ہر انسان کی زندگی مختلف خانوں میں بٹی ہوئی رہتی ہے لیکن ایک کامیاب انسان اپنی زندگی کے لیے ایسا ہی راستہ منتخب کرتا ہے جس پر سے وہ بہ آسانی گزرتا رہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو یار کی یاری سے غرض ہے۔ یہ بات غلط نہیں ہے لیکن وہی دوست ایک اچھا دوست سمجھا جاتا ہے جو اپنے دوست کی بھلائی اور اس کی بہتری کے لیے ہمیشہ تیار رہے۔ عقیل اسعد کے یقیناً بہت سے احباب ایسے بھی ہوں گے جو ان کی بہتر زندگی کے لیے ان کا ساتھ دیتے ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ عقیل اسعد مجھے شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اعلیٰ مرتبت انسان کی حیثیت سے بھی پسند ہیں جیسا کہ مجھے معلوم ہے وہ نرمل کی سماجی زندگی سے بہت قریب ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت تمام انسانوں کی مدد کرتے ہیں ان کے اچھے کاموں میں شریک رہتے ہیں کبھی کبھی روزنامہ سیاست اور ماہنامہ گونج میں اور خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اضلاع کے وہ شاعر جنھوں نے ۳۰، ۳۵ برس میں اپنی شاعرانہ شناخت بنائی ہے ان میں ایک اہم نام عقیل اسعد کا بھی ہے مجھے یہ شخص اور یہ شاعر بے حد عزیز ہے میری خواہش ہے کہ وہ شعر و ادب کی دنیا میں اپنے وجود کا بھرپور احساس دلاتے رہیں۔

وقار ریاض

روشن خیال ۔ باشعور شاعر

ادب عالیہ کی پہچان بن کر جب کوئی باصلاحیت، ہونہار شاعر پیرا ہن شعر و ادب کو مہکاتے ہوئے سارے ادبی ماحول کو معطر کر دیتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شاعر اپنی پوری توانائی کے ساتھ اونچی اڑان بھرتے ہوئے دانشورانِ شعر و ادب کی محفل میں جلوہ گر ہے ایسے ہی شاعر جب گل افشانی، نشتر زنی اور وارداتِ قلبی کے اظہار کا ذریعہ بن جاتے ہیں تو معاشرے کی بنتی بگڑتی ساری تصویریں شدت کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں ـــ اپنی شاعرانہ پہچان کے لیے ایک شاعر معاشرے کے خدوخال میں اس طرح رنگ بھرتا ہے کہ اس کی تخلیقات ہر اُس شخص کی ذات کا ایک حصہ بن جاتی ہیں جو نرم و گرم حالات سے گذرتا رہتا ہے وقت کی تیز روی ہر اُس تخلیق کار کی ہم نوا رہی ہے جس کا فن وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فکر و خیال کی بلندیوں کو چھونے والے آئینہ صفت، فطرت شناس، شناہین
نواز باشعور شاعروں میں ایک شگفتہ اور اہم نام وقار ریاض کا بھی
ہے جس نے ۱۵ سال پہلے گرم گرم ریت سے گذرتے ہوئے طوفان اور
حوادثات کی زد میں رہتے ہوئے منزل کی بے پناہ خواہشوں کے ساتھ
اپنے خوشگوار سفر کا آغاز کیا تھا آج وہی رہروِ منزلِ شوق، کھلے آسمان
تلے اپنی زمین سے جڑا ہوا کھلی فضاؤں کی تازہ ہواؤں میں سانس
لیتے ہوئے سرگرم سفر ہے — اس دور کے نوجوان شاعروں میں
وقار ریاض کا نام ایک خاص امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنے فن سے والہانہ
وابستگی رکھنے والا یہ ذہین و فطین شاعر اپنے روشن مستقبل کی ضمانت
لے کر افقِ شاعری پر تیزی کے ساتھ ابھر رہا ہے اس کے اشعار میں زندگی
کی حرارت، جذبات کی صداقت، مشاہدات کی دلپذیری، احساس کی
تازگی اور شعور کی بالیدگی تمام تر خوبیوں کے ساتھ رونق افروز ہے — اپنے
جذبات، مشاہدات و واردات قلبی کی بھٹی میں جل کر جب کوئی شاعر
تخلیقی سفر سے گذرتا ہے تو اس کی تخلیق دیرپا تاثر کی طرح دستاویزی
شکل اختیار کر جاتی ہے وقار ریاض جیسے نہ جانے اور کتنے شاعر ہوں
گے جو اپنے فن کے ذریعہ اپنی شناخت بنانے میں مصروف ہیں۔ ہر دور
کی طرح آج کا دور بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے لیے سازگار ہے اور سازگار
بھی نہیں۔ حالات نے ہر دور کے فن کار کو متاثر کیا ہے ہر فن کار اپنے
دور کا نباض ہوتا ہے۔ وہی شاعر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ ادب میں

زندہ رہتا ہے جو حالات کی بے راہ روی اور نت نئی الجھنوں کا شکار ہوتے بھی پامردی مستقل مزاجی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے میدان میں قدم جمائے ہوئے رہتا ہے۔ مصلحت شناسی، تنگ نظری، موقع پرستی اور کم نگاہی، ظلم کی یہ سیاہ طاقت کو روک نہیں سکتی۔ قرطاس و قلم کی حرمت کا خیال رکھنے والے تخلیق کار دامانِ شعر و ادب کو ہمیشہ مہکاتے رہیں گے۔ اپنے فن سے دیانت داری برتنے والے اہلِ فن اپنے منصب کا نام کئے شایاں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔ وقار ریاض اپنے ہمعصر شاعروں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اُن کے اشعار سے جہاں پھولوں کی شگفتگی کا احساس ہوتا ہے وہیں تلخیٔ دوراں اور شرر یار نگاہوں کا عکس بھی جھلکتا ہے۔ کلاسکی اقدار کا پاسدار، ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات کا علمبردار، زندگی کے اُجالوں کا طرفدار، ٹھنڈی چھاؤں اور تپتے ہوئے صحراؤں میں اپنے قلم کی پرورش کرنے والا یہ شاعر اپنے وجود کا ہمیشہ احساس دلاتا رہے گا۔ وقار ریاض کی شاعری، دھوپ چھاؤں، ترقی گرمی، سبک خرامی اور تیز گامی سے عبارت ہے جہاں ان کے اشعار سے پھول برستے ہیں وہیں شعلوں کی برسات بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس دور کے شاعروں کے ہاں موضوعات کی کمی نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ قلم کی کاٹ کیا گل دکھلاتی ہے اور وہ کن کن مرحلوں سے گذرتے ہوئے اپنے اعلیٰ منصب کا حق ادا کرتا ہے۔ تہذیب، شائستگی اور روایت سے وقار ریاض کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ ماضی کی اعلیٰ روایتوں کے طرفدار

ہوتے ہوئے شاعر نے حالات سے منہ نہیں موڑا۔ وقار ریاض کو ہیں نے کل ہند مشاعروں میں بھی سنا ہے مخصوص شہرت حاصل ہے بھی۔ ان کی شاعری دل کو چھونے والی اور فکر و خیال کی ترجمانی کرنے والی شاعری ہے۔ ان کے پڑھنے کا انداز نہایت پُر اثر رہتا ہے اچھے شعر کو اچھے انداز میں پیش کرنا باکمال شاعروں کا ایک بہترین وصف سمجھا جاتا ہے یہ اعزاز وقار ریاض کو حاصل ہے۔ تحت میں کلام سناتے ہیں اور کچھ اس طرح کہ ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کر لیتے ہیں وقار ریاض ان کامیاب شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت ادبی حلقوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وقار ریاض نے ہر صنف شاعری میں اچھے شعر کہے ہیں لیکن غزل میں ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار کھل کر ہوا ہے۔ زندگی کے کون سے ایسے مسائل ہیں جن کی غزل متحمل نہ رہی ہو وقار ریاض کو نظم گوئی پر بھی دسترس حاصل ہے دیگر اصناف سخن بھی اردو شاعری کا سرمایہ ہیں جن کی عظمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ ان کی بعض موضوعاتی نظمیں ادبی تاریخ کا ایک حصہ بن کر زندہ رہیں گی مذہبی شاعری پورے عقیدت و احترام کے ساتھ کہی گئی ہے۔ فن سے ان کی وابستگی نے پاک و صاف شعر کہلوائے ہیں۔ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقار ریاض ایک ایسے شاعر ہیں جن کی تخلیقات ہر دور میں پڑھی جائیں گی۔

وقار ریاض تعلقہ ہمنا باد کے ایک باوقار عظیم المرتبت خاندان میں ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم محمد ریاض الدین ایک کامیاب تاجر تھے

جو پولیس ایکشن میں شہید ہوئے۔ ان کے دادا محمد علیم الدین منتظم پولیس تھے اور آپ کے نانا عبدالمجید صدر مدرس تھے جن کا کئی برسوں تک شعبہ درس و تدریس سے واسطہ رہا۔ نامور شاعر علی الدین نوید ان کے حقیقی بڑے بھائی ہیں ان کے دو اور بڑے بھائی ہیں محمد قیام الدین اور محمد مصلح الدین۔ صلاح الدین نیر ان کے ماموں ہوتے ہیں۔ وقار ریاض کا وطن ثانی گلبرگہ ہے۔ نامور شاعر محب کوثر سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ابتدائی شاعری کے زمانے میں انہیں علی الدین نوید کی سرپرستی حاصل رہی۔ وقار ریاض کا مجموعۂ کلام قلم بولتا ہے ۱۹۹۶ء کرناٹک اکیڈیمی کے رقمی تعاون سے شائع ہوا۔ وقار ریاض گلبرگہ کی ادبی انجمن فروغ ادب کے دس سال سے صدر نشین ہیں محکمہ آر ٹی سی کے اعلیٰ عہدہ داروں نے ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں ایوارڈ اور توصیفی سند سے نوازا۔ وقار ریاض گلبرگہ میں ڈپو پر ٹرافک کنٹرولر کی حیثیت سے مامور ہیں۔ وقار ریاض ہندوستان کے کئی مقامات پر کل ہند مشاعرے پڑھ چکے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ، حیدرآباد کے علاوہ کشمیر اور دلی ریڈیو اسٹیشن سے ان کا کلام نشر ہو چکا ہے انہیں کوڑنگل میں منعقدہ ایک ادبی تقریب میں سلور میڈل اور توصیفی سند دی گئی۔ دوردرشن بنگلور سے ان کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوتا رہتا ہے۔ گلبرگہ کی تقریباً تمام فعال انجمنوں سے ان کا تعلق ہے مشاعرہ دکن (حیدرآباد) میں ۶ سال تک یہ پابندی شرکت کرتے رہے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں شرکت کیا کرتے ہیں۔ شنکر جی

ہیمو ریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ میں بھی کلام سنا چکے ہیں ملک کے نامور
شاعروں کے ساتھ کلام سنانے کا انہیں اعزاز حاصل ہے اخبار سیاست
اور ماہنامہ خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد
کے فعال اداروں، ادارۂ میرا شہر میرے لوگ، ایوان بزم معظم جاہ شجیع
میں کلام سنا چکے ہیں۔ اضلاع آندھرا پردیش کے مشاعروں میں خصوصیت
کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔ حیدرآباد کی ایک فعال ادبی انجمن سوغات
نظر کے زیر اہتمام وقار ریاض کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا
اس اجلاس کو شہر کے نامور دانشوروں نے مخاطب کیا تھا وقار ریاض
کی شاعرانہ صلاحیتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شعر و ادب کے اعلیٰ
منصب تک بہت جلد پہونچنے والے ہیں مجھے ان کا مستقبل بہت
زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی شہرت میں
اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ
ہر اہم مشاعرہ کے لیے ناگزیر شاعر رہیں گے۔

ریحانہ بیگم

(سرزمینِ علم و عرفان بیدر کی باصلاحیت شاعرہ)

جن لوگوں کو بھی فنونِ لطیفہ سے ذاتی دلچسپی اور وابستگی رہتی ہے وہ لوگ نہ صرف بے حد حساس ہوتے ہیں بلکہ نازک مزاج اور شگفتہ مزاج بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی طبیعت میں جو لا اُبالی پن [illegible] ہوتا ہے۔ اُن کا لب و لہجہ انداز گفتگو طرزِ حیات اور اُن کا رکھ رکھاؤ اپنی مکمل پہچان کے ساتھ نمایاں رہتا ہے اُن کے رہن سہن میں بے ساختگی مشاہدات میں ژرف نگاہی تجربات میں سادگی اور کے رویے میں بے نیازی کے ساتھ ساتھ برجستگی بھی رہتی ہے اگرچہ سے فنونِ لطیفہ سے وابستگی رکھنے والے لوگوں میں شاعر ہوں تو اُن کا بانکپن اور اُن کی طرح داری کچھ الگ ہی ہوتی ہے۔ فنونِ لطیفہ سے مربوط فنکار بلا تخصیص جنس اپنے اپنے شعبوں میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مختلف انداز میں اظہار کرتے ہیں۔

بہترین فنکار ایک چشمۂ نور ہوتا ہے جس کی روشنی کائنات کے ذرہ ذرہ کو چمکاتی رہتی ہے اور ایک قلمکار جو اپنے فکر و خیال کی خوشبو سے باذوق سامعین و قارئین کے مشام جاں کو معطر کرتا رہتا ہے وہ معاشرہ کا ایک اہم فرد سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کے پس منظر میں جب ہم صاحب کمال فن کاروں' باصلاحیت قلم کاروں اور ذہین و فطین تخلیق کاروں کے فن پاروں اور ان کی تخلیقی شاہکاروں سے مانوس ہوجاتے ہیں تو ذہن و فکر کے خوابیدہ گوشوں میں ایک روشنی سی پھیل جاتی ہے۔ باشعور و باصلاحیت تخلیق کاروں کے فکر و فن کی روشنی نہ صرف سامعین و قارئین کے دل و دماغ کو ہی منور کر دیتی ہے بلکہ انسانی رشتوں کے تقدس کو سمجھنے کی بھی طاقت عطا کرتی ہے۔

فنون لطیفہ سے وابستہ بہت سے قلمکاروں میں ایک نیا ابھرتا ہوا نام ریحانہ بیگم کا بھی ہے جو اپنے فکر و فن کے آئینوں کو اپنے مخصوص انداز میں جلا بخش رہی ہیں۔ ریحانہ بیگم جیسی مہذب' باشعور' شائستہ اور پڑھی لکھی شاعرہ کا کلام جب میری نظر سے گزرا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس شاعرہ میں نہ صرف فکر و خیال کی ہی تابناکی پوری آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے بلکہ ان کے کلام میں ان کے خیالات کی تازگی' جذبات کی شگفتگی' مشاہدات کی سچائی اور تجربات کی ہمہ رنگی بھی موجود ہے اس تناظر میں سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر اس شاعرہ کے کلام کی مناسب انداز میں پذیرائی ہو تو اس کو

اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع مل جائے گا۔
ریحانہ بیگم میرے حقیقی بھائی کی بہو صبیحہ سلطانہ کی نہ صرف بہترین دوست ہیں بلکہ اُن کی ہم پیشہ بھی ہیں جو پیشہ درس و تدریس کے مقدس شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔
ریحانہ بیگم نے جب اپنی شاعری کا آغاز کیا ہوگا تو اُن کی شاعری منظرِ عام پر آنے کے لئے بے چین رہی ہوگی۔ اُن کا کلام سن کر کسی خوشگوار موقع پر صبیحہ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا کلام بغرضِ اصلاح میرے پاس روانہ کریں۔ میں خط لکھ دوں گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی ادبی و صحافتی مصروفیات کے باوجود میری خواہش پوری کریں گے چنانچہ مختلف اوقات میں بذریعۂ ڈاک ریحانہ بیگم کا کلام مجھ تک پہونچنے لگا۔ جب بھی مجھے فرصت ملتی ان کے کلام کو دیکھا کرتا۔ اور بعد اصلاح لوٹاتا رہا۔ تقریباً ایک برس تک یہ سلسلہ جاری رہا جب اصلاح شدہ کلام میں کچھ زیادہ اضافہ ہوگیا تو میں نے ریحانہ بیگم کو مشورہ دیا کہ کیوں نہ آپ کے کلام کو جو مختلف اوراق کی شکل میں موجود ہے کتابی شکل دی جائے۔ انہیں میرا مشورہ پسند آیا اور انھوں نے فرطِ مسرت میں کتاب کی اشاعت کا تہیہ کر لیا۔ ریحانہ بیگم ایک زود گو شاعرہ ہیں۔ سیدھے سادے لفظوں میں دل کو چھو لینے والے شعر کہتی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی تلخیوں کا بھی کھلے دل و دماغ سے خیر مقدم

سرتی ہیں۔ ان کا تقریباً تمام کلام سہل ممتنع ہیں ہے زبان و بیان
پاک و صاف ہے لب و لہجہ سلجھا ہوا ہے اپنے دل کی بات سلیقے
سے کہہ جاتی ہیں۔ ان کی باتوں میں جذبات کا اظہار پُر اثر انداز میں
ملتا ہے ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں مشرقی
علوم و فنون سے گہری دلبستگی ہے۔ ادبی و ثقافتی، تہذیبی و فلاحی
دینی و اخلاقی تحریکوں سے بھی وہ دلچسپی رکھتی ہیں کثرت مطالعہ نے
بھی فکر کو کچھ زیادہ ہی نکھارا ہے۔ حساس طبیعت نے انہیں سادگی
کے ساتھ پُر کاری اور سلیقہ سے ہم کنار کیا ہے۔ ریحانہ بیگم کو
جس قدر خوشیوں کے لمحات عزیز ہیں اتنی ہی قدر انہیں اپنے آنسو دل
کی بھی ہے انھیں ضبطِ غم کا بڑا سلیقہ حاصل ہے تاہم کلام کے بہ غائر
مطالعہ سے قاری کو اس بات کا بھی اندازہ ہو گا کہ شاعرہ اپنے درد و
غم کی دولت کو معاشرہ کے ہر اُس فرد میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں جو انسانی
رشتوں اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کرتا ہو۔ شاعرہ کی آنکھوں میں
آنسو بھی ہیں لیکن ان کی آخری حد پلکوں کے کناروں تک محدود رہے وہ
اپنے درد و غم کے (اظہار) کے لئے اشکوں کو ذریعہ بنانا نہیں چاہتیں۔
بسا اوقات جب آنسو جگنو بن کر پلکوں پر جگمگانے لگتے ہیں تو معاشرہ
کے ستائے ہوئے لوگوں کے دامن بھر جاتے ہیں ایک اچھے تخلیق کار
کا یہ بھی وصف ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخلیقی سرمائے کو تہذیبی رشتوں
کی آبیاری کے لئے متحرک کرتا ہے منفرد قلم کار کا دل آئینہ کی طرح

پاک و صاف ہوتا ہے جس میں حاشیے خد و خال صاف نظر آتے ہیں
ریحانہ بیگم نے ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے ادبی دنیا میں
قدم رکھا ہے۔ اُن کا کلام یقیناً قارئین کے لئے تسکینِ ذوق کا
باعث بنے گا۔ میں نے پوری ذمہ داری اور دلجمعی کے ساتھ اس مجموعۂ
کلام " پہلی کرن " کی اشاعت میں دلچسپی لی ہے۔ ایک تو اس خیال سے
کہ ریحانہ بیگم میری بہو کی وساطت سے متعارف ہوئی ہیں دوسری وجہ
یہ ہے کہ ریحانہ بیگم مجھ سے مشورہ سخن کرتی ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہے
کہ ریحانہ بیگم کا مجموعۂ کلام " پہلی کرن " شائع ہو رہا ہے۔ ہر قلمکار کی
جب پہلی کتاب شائع ہوتی ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں ہوتی۔
میں ایسی ہی مسرت ریحانہ بیگم میں محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ریحانہ
بیگم کا یہ ادبی و شعری سفر موسمِ گل کی پہلی خوشبو کی طرح جاری رہے گا

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

(ماہرِ اقبالیات، عالمی شہرت یافتہ ممتاز شاعر و ادیب)

علم کی دولت سے مالک دو جہاں جب کسی شخص کو مالا مال کرنا چاہتا ہے تو دولتِ علم اس کے گھر میں از خود دوڑ کر آتی ہے اس کے ذہن و فکر کا کوئی ایک گوشہ بھی ایسا نہیں رہتا جو منور و مہکا ہوا نہ ہو۔ اس کے ذہنِ رسا اور اس کے فہم و ادراک کا ہر حصہ تازہ روشنی اور تازہ ہوا کا خیر مقدم کرتا ہے ایسے لوگ جو تبحرِ علمی، وجدان و عرفان کو سرچشمۂ نور و نکہت سمجھتے ہیں وہ علم و عرفان کے ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں ذی علم و ذی شعور لوگ، علم و ادب کی نکھری ستھری زندگی سے کچھ اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ فکر و فن، شعر و حکمت اور علم و آگہی کے چراغوں کو روشن رکھنے میں مصروف رہتا ہے زبان، علم ادب کسی ایک فرد کی شخصی میراث نہیں ہے کوئی بھی علم کیوں نہ ہو وہ محدود دائروں میں محصور نہیں رہتا بلکہ اس کی کرنیں ایسی ایسی جگہ بھی پہنچ جاتی

ہیں جہاں تک پہونچنے کے لئے ایک عمر گزارنی پڑتی ہے ایسے ہی لوگ قابلِ پرستش اور پوجے جانے کے قابل ہوتے ہیں معاشرہ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں ویسے بھی علمی و ادبی خدمات کا رعب و دبدبہ معاشرہ پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ یہ تمام شخصیتیں ہر دور میں مرکزِ علم و آگہی کا چراغ بنی رہتی ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے محترم خدمت گزاروں میں سے لاتعداد صاحبانِ علم و عرفان نے اپنی بھرپور خدمات سے فیوض و برکات کا دریا بہا دیا ہے اس طرح کے اعلیٰ مرتبت شخصیتیں ہر زمانے میں رہی ہیں اور روشنی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ عصرِ حاضر میں بھی کچھ ایسی باکمال شخصیتیں موجود ہیں جو بڑی ہی کرا علیٰ خدمات انجام دے رہی ہیں اُردو زبان کسی ایک قوم یا کسی ایک خاص فرقہ کی زبان نہیں ہے اس لیے کہ یہ زبان ایک مشترکہ زبان ہے مہذب معاشرہ کی تہذیب یافتہ و یادگار زبان ہے کوئی ایک قوم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اُردو زبان صرف اُسی ایک قوم کی زبان ہے عام طور پر ہندوستان میں اُردو زبان مسلمانوں کی مادری زبان سمجھی جاتی ہے اور ہے بھی۔ لیکن بہت سے غیر مسلم لوگوں کی مادری زبان بھی اُردو ہے اور وہ اُردو زبان کو اپنی مادری زبان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُردو زبان و ادب کی جتنی خدمت مسلم قلم کاروں نے، دانشوروں نے کی ہے اتنی ہی خدمت غیر مسلم دانشوروں اور قلم کاروں نے بھی کی ہے اور آج بھی ایسے غیر مسلم قلم کار موجود ہیں جو قابلِ رشک حد تک اُردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں

اس وقت ہندوستان بلکہ اردو دنیا میں سب سے بڑا نام پروفیسر جگن کا بھی ہے جو ماہرِ اقبالیات کی حیثیت سے ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ سچ بھی یہی ہے کہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنی علمی سرگرمیوں میں سب سے زیادہ وقت اقبال شناسی کے لیے دیا ہے پروفیسر جگن آزاد نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں بلکہ صفِ اول کے محقق ہیں زائد از ۶۰ برس سے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے میں دلو دار مصروف ہیں ان کی کتابوں کی بہت بڑی فہرست ہے تمام اردو حلقے ان کی کتابوں سے واقف ہیں بہت کم ایسے شاعر و ادیب اس دور میں موجود ہیں جنھوں نے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے بارے میں نہ لکھی ہوں پروفیسر جگن ناتھ مصنف ہی نہیں مؤلف بھی اور ان کے فن پر بھی کچھ کتابیں دامنِ زبان و ادب کو نکھار رہی ہیں۔ پروفیسر جگن آزاد سے میرے شخصی مراسم ہیں ان سے میری پہلی ملاقات اردو ہال آج سے ۳۵ برس پہلے ہوئی تھی وہ ان دنوں محکمہ اطلاعات کی جانب منعقدہ کل ہند مشاعرہ میں شرکت کے لیے حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ اس مشاعرہ میں اس دور کے تمام نامور شاعروں نے شرکت کی تھی عابد آزادی لکھنوی یا بوجی تہ اطلاعات تھے اردو ہندی کے نامور شاعر کنول پرشاد کنول مشاعرہ کے کنوینر تھے۔ میں نے پہلی دفعہ فراق گورکھپوری کو اسی مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام ادبی رسالوں میں میرا کلام شائع ہوتا تھا۔ رسائل کے ذریعہ پروفیسر جگن ناتھ آزا

میرے نام سے واقف تھے۔ جب اُن سے اردو ہال میں پہلی ملاقات ہوئی
تو مجھ سے کہنے لگے کہ "میں تو یہ سمجھا تھا کہ صلاح الدین نیر کوئی معمر شاعر ہوگا ؟
آپ تو جوان سال شاعر ہیں۔" اس زمانے میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد حیدرآباد
کی شعری و ادبی محفلوں میں بہت زیادہ شرکت کرتے تھے ڈاکٹر سید محی الدین قادری
زورؔ کی دعوت پر حیدرآباد کے بہت سے مشاعروں اور علمی و ادبی جلسوں میں
انھوں نے شرکت کی۔ مولوی حبیب الرحمٰن، عابد علی خان صاحب اور ڈاکٹر حسینی
شاہد کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے انجمن ترقی اردو کی بیشتر ادبی تقاریب میں شرکت
کیا کرتے تھے جب بھی وہ حیدرآباد آتے میری اُن سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی
خاص طور پر مشاعروں میں لازماً ملاقات رہتی۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنے
مخصوص ترنم میں کلام سنا کر محفل شعر و ادب پر چھا جاتے ہیں۔ اُن کے ترنم میں
ایک خوشگوار دل کو چھونے والی کیفیت ہوتی ہے ترنم میں ایک خاص قسم کی
گونج ہوتی ہے جو سماعت کے لیے فرحت بخش ہوتی ہے پروفیسر جگن ناتھ
آزاد نے بے شمار نظمیں بھی کہی ہیں جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔
بے شمار ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں ہر دور میں ہر حکومت کی اعلیٰ سطح کی اردو کمیٹیوں
سے وابستہ رہے اب بھی ہیں۔ اس وقت انجمن ترقی اردو کے صدر نشین ہیں
تمام اردو دنیا میں اپنی عالمانہ شاعرانہ حیثیت کی وجہ سے صف اول کے قلم کاروں
میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں اردو کے مراکز ہیں وہاں تک
ان کی رسائی ہو چکی ہے وہاں کئی ادبی محفلوں میں شرکت کر چکے ہیں قیام پاکستان
سے قبل وہ پاکستان میں تھے اپنی پیدائشی سرزمین سے انھیں بے حد لگاؤ ہے وہ

وہ متحدہ ہندوستان کے قابلِ احترام شہری ہیں جتنی عزت ان کی ہندوستان میں کی جاتی ہے اتنی ہی پاکستان میں بھی کی جاتی ہے نہایت مخلص، سادہ مزاج علم دوست ہیں کئی برسوں سے ہم دونوں میں خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اِدھر خوشبو کا سفر کی اشاعت کے بعد سے کچھ زیادہ ہی خط وکتابت ہو رہی ہے خوشبو کا سفر میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا کلام خصوصی مونف کے ساتھ شائع ہوا کرتا ہے جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے دوستانہ و برادرانہ مراسم رہے آزاد صاحب ادبی ٹرسٹ کے کئی شعروں میں مدعو رہے ان کا کلام سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے اسے۔ حیدرآباد کے اکثر علمی و ادبی جلسوں میں مدعو کیے جاتے ہیں شہر کی جامعات میں بھی مختلف مواقع پر مدعو رہے ہیں مختلف علمی و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہیں پروفیسر صاحب جب بھی حیدرآباد آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہوتی ہے اگر شخصی ملاقات ممکن نہ ہو تو فون پر گفتگو ہوتی ہے گزشتہ بار جب وہ حیدرآباد آئے تو اپنی بہت سی کتابیں لے کر میرے گھر پہونچے۔ کتابیں حوالے کرتے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری تمام کتابیں آپ کے پاس رہیں۔ ادھر ۲، ۳ برس میں کچھ اور نئی کتابیں پروفیسر صاحب کے فن اور شخصیت پر شائع ہوئی ہیں وہ کتابیں بھی انھوں نے ازراہِ ادب نوازی روانہ کی ہے پروفیسر صاحب زائد از ۸۰ برس کے ہوگئے ہیں اس عمر میں بھی ان کے علمی و ادبی کام جاری ہیں۔ انھیں علمی و ادبی تقاریب میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے انھیں ہندوستان و پاکستان کے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا ہے پروفیسر آزاد کی اردو خدمات اس قابل ہیں کہ وہ ہر دور میں

یاد رکھی جائیں گی۔ حیدرآباد کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ انہوں نے حیدرآباد میں منعقدہ بے شمار ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کی۔ سنہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد یوم قلی قطب شاہ تقاریب میں مدعو تھے اس تقریب کے سلسلے میں شہر کے مختلف کالجس میں بیت بازی کے مقابلے رکھے گئے تھے میں یوم قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ بیت بازی کا کنوینر تھا بیت بازی کا فائنل مقابلہ محمد قلی قطب شاہ کی گنبد کے اندر ہوا تھا اس فائنل مقابلہ میں ویمنس کالج کی ٹیم نے بھی حصہ لیا تھا ویمنس کالج کی ٹیم نے صدر بزم اردو فاطمہ نسرین کی سرپرستی میں شرکت کی تھی پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنے ایک شعر سے مقابلہ بیت بازی کا آغاز کیا تھا۔ انعامات کی تقسیم اختتامی تقریب میں عمل میں آئی۔ ڈاکٹر زور سے آزاد صاحب کے بہت ہی قریبی روابط تھے آزاد صاحب کے والد محترم تلوک چند محروم اردو کے نامور قومی شاعر تھے جب بھی وہ حیدرآباد آتے ڈاکٹر زور کے ہی مہمان رہتے تھے تلوک چند محروم جیسے عظیم شاعر سے میری پہلی ملاقات ایوانِ اردو میں ہوئی تھی۔ پروفیسر آزاد جموں یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے ہیں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی وہ جموں یونیورسٹی کے پروفیسر کوارٹر میں رہتے ہیں پروفیسر آزاد جیسی ہمہ پہلو شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ پروفیسر آزاد بھی ان غیر مسلم محسنین اردو میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں سنہری حروف سے روشن رہے گا۔

کاوش بدری

(قلندر صفت، کہنہ مشق استاد شاعر، نامور ادیب)

اگر جذبۂ خلوص اور جذبۂ رفاقت میں صداقت ہو تو وہ لوگ جو نظروں سے دور ہیں جن سے برسوں ملاقات نہیں ہوتی، سینکڑوں میل دور رہتے ہیں ان کی دوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چاہنے اور چاہے جانے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہزاروں میل دور رہنے والے بھی اپنے ساتھ رہتے ہیں، اپنے ساتھ ہی چلتے پھرتے ہیں اپنے ساتھ ہی اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے گفتگو کر رہے ہیں۔ ہمارے روبرو ہیں۔ ہم سے قریب تر ہیں۔ احساسات و توانائیوں تو فاصلے خود بخود سمٹ جاتے ہیں اس طرح کے لوگ جو یادوں کا اہم حصہ بنے رہتے ہیں وہ دل سے دور نہیں رہتے اگرچہ وہ نظروں سے دور رہتے ہیں۔ قلم ایک وسیلہ ہے جو فاصلوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی قبیل کے رنگ و نور میں ڈھلے ادیب و شاعر کاوش بدری بھی ہیں جنھوں نے اپنی بے لوث دوستی، معیاری ادب اعلیٰ شاعری کے سبب مجھے اپنے دائرۂ خلوص میں سمیٹ لیا ہے مجھے ان کی محبت بکھرنے نہیں دیتی

کاوش بدری نہایت پُر خلوص، محبت شناس، بے انتہا ٹوٹ کر محبت کرنے والے انسان ہیں۔ ان کی دوستی کا معیار، بلند و بالا ہے۔ ان کی فکر اعلیٰ و ارفع ہے ان کا طرزِ حیات بے ساختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے بہت زیادہ پڑھے لکھے آدمی ہیں اس لیے دُنیا کی نعمتوں و راحتوں سے بے نیاز ہیں صبر و شکر کی جیتی جاگتی علامت ہیں ہر حال میں خوش رہنے والے انسان ہیں۔ توکل ان کی طبیعت کا خاصہ ہے خود اعتمادی ان کا اعلیٰ جوہر ہے دوستی کے معاملات ہوں کہ شعر و ادب کی باتیں ہوں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دوستی نبھانے کا سلیقہ آتا ہے بہترین شعر کہنے کی ان میں صلاحیت موجود ہے۔ کاوش بدری جنوبی ہند (مدراس) کے مشاہیر اردو میں سے ایک ہیں جن کے ذکر کے بغیر ٹاملناڈو کے شاعروں، ادیبوں کی محفلیں ادھوری سمجھی جاتی ہیں۔ خاص طور پر ٹملناڈو کی ہر معیاری ادبی مجالس میں کاوش بدری کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کاوش بدری کا تبحر علمی قابلِ رشک ہے اپنی ساری زندگی علمی و ادبی، شعری و تہذیبی مصروفیات کی نذر کر چکے ہیں علوم و فنون کے تقریباً ہر شعبہ میں ان کی صلاحیتوں کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی قلندرانہ صفت ان کی شاعری میں بھی پوری طرح جھلکتی ہے کاوش صاحب بے نیازانہ فکر و آگہی کے مظہر ہیں۔ ان کے علم و فن کے چراغ ان کے ذہن کی روشنی اور دل کی پُر نور کیفیات سے پوری آب و تاب کے ساتھ جل رہے ہیں۔ کاوش بدری کو تمام اردو دنیا نہ صرف جانتی ہے بلکہ ان کے علم و فضل اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بھی کرتی ہے کھل کر ان کے فکر و خیال کی پاسداری کی جاتی ہے۔

کاوش بدری روشن دماغ شاعر کی طرح اس طرح کے شعر تخلیق کرتے ہیں کہ وہ شاہکار بن جاتے ہیں۔ کلاسیک شعری ادب سے گہری وابستگی اور تہذیبی اقدار سے مضبوط رشتے رکھنے کی وجہ سے ان کی شاعرانہ آن بان باقی ہے ایسا نہیں ہے کہ ان کے کلام میں ترقی پسندانہ خیالات کی عکاسی نہیں ملتی۔ بلکہ وہ عصر حاضر کی شاعری کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ شعر و ادب سے ان کے اٹوٹ رشتہ نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو ابھارنے میں غیر معمولی کام کیا ہے ان کی شاعری کی بنیاد میں کلاسیکل شاعری کی خوشبو ہے۔ وہ مرکزیت کے قائل ہیں۔ وہ کلاسیکل شعری ادب کی پاسداری کرتے ہوئے ترقی پسندانہ خیالات اور جدید رجحانات کے بھی قدر شناس بھی ہیں۔ کاوش بدری ایک علمی و ادبی آدمی ہیں اردو دنیا کے تقریباً مشاہیر اردو سے ان کے مراسم ہیں ان کی شاعری اور ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر ادبی لوگ ان کے ہم نشین بن گئے ہیں وہ تاملناڈو کے بہت دور علاقہ میں سکونت پذیر تھے لیکن انہیں ساری ادبی دنیا کی خبر رہتی ہے رسائل اور کتابوں کے سبب۔ نامور قلم کاروں سے ان کی خط و کتابت کی وجہ سے بھی انہیں اردو کے بہت سے مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا رہتا ہے ہندوستان و پاکستان کے معیاری رسائل میں ان کا کلام، ان کی تحریریں شائع ہوتی ہیں پاکستان کے اہل قلم حضرات و خواتین بھی ان کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں۔ ادبی رسائل کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علمی و ادبی معرکوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ فنِ عروض سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ زمرۂ شاعری میں صرف ایک عالم کی حیثیت سے ہی نہیں، ناقد بصیر و محقق کی حیثیت

سے ہی نہیں ایک بہترین شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے ہیں ماہنامہ شب خون میں ان کا کلام سب سے زیادہ شائع ہوتا رہتا ہے ان کی غزلیں اُن کے روشن فکر و خیال کی آئینہ دار ہوتی ہیں ہر شعر قابلِ توجہ و قابلِ مطالعہ ہوتا ہے ان کی بعض غزلوں کے اشعار انتہائی معیاری و اعلیٰ ہوتے ہیں زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل ہے کثرتِ مطالعہ نے کاوش بدری کو کندن بنا دیا ہے شعر و ادب کے ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی صلاحیت رکھتے ہیں ملک کے کئی علمی و ادبی ادارے اور شخصیتیں ان کی ماہرانہ صلاحیتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں ۔ کاوش بدری ۳ر فبروری ۱۹۲۸ء کو آمبور (ضلع شمالی ارکاٹ) ٹامل ناڈو میں پیدا ہوئے ۔ مدراس یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی ۔ اُن کے مضامین اُردو، فارسی اور تاریخ اسلام تھے ۔ افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق، آغا ہدایت اللہ شوستری، مولانا شاکر نائطی، علامہ صبغتہ اللہ بختیاری، مولانا ابوالجلال ندوی، مولانا رحیم احمد فاروقی اور مولانا محمد یوسف کوکن اور دوسرے علماء سے انہوں نے علمی فیض حاصل کیے ٹامل ان کی مادری زبان ہے لیکن اُردو پر قدرت حاصل کر کے وہ اس زبان کے کامیاب نثر نگار اور نغز گو شاعر بنے ۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ مدراس یونیورسٹی لائبریری میں گزرا جہاں ان کا واسطہ کتب و رسائل اور اہلِ قلم و علم سے رہا۔ بعد کو مدراس کے ایک انجینیرینگ کالج کے دفتر میں بہ حیثیت سپرنٹنڈنٹ ان کا تبادلہ ہو گیا۔ یہیں سے ۱۹۸۷ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں (۱) مثنوی فیصلہ نما (۱۹۶۵ء) (۲) شعر دھا تجلی (۱۹۶۴ء)

کاویم (طویل نظم) ۱۹۷۷ء (۴) قطب مدراس ۔ ۔ ۔ ۔ کلاسیکی غزلوں کا دیوان "نے قیکون" اور ایک مجموعۂ شعری "ہشت بہشت" جلد ہی شائع ہونے والا ہے۔ کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین کے قدیم رکن ہیں۔ ایس وہ صدر ہیں۔ گراجویٹ ہونے کے بعد ہی ان کی ادبی و صحافتی دلچسپیاں شروع ہوئیں۔ ۱۹۵۱ء میں "فنکار" کے نام سے ایک ماہنامہ مدراس سے جاری کیا۔ ۱۹۵۳ء میں "منزل" کے نام سے ایک ماہنامہ نکالا۔ کاوش بدری سے میری پہلی ملاقات مدراس کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ہوئی تھی جو آج سے تقریباً ۴۰ برس پہلے مدراس کے ایک نامور ڈاکٹر عزیز تمنائی نے میڈیکل کالج کی رقمی اعانت کے لیے کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں ملک کے مقبول ترین شاعر، سکندر علی وجد، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، اور علی سردار جعفری نے بھی شرکت کی تھی۔ میزبان شاعر کی حیثیت سے کاوش بدری نے بھی کلام سنایا تھا۔ غالباً اس مشاعرہ میں عزیز تمنائی اور دانش فرازی نے بھی کلام سنایا تھا۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد سے میں اور ناصر کرنولی مدعو تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ ناصر کرنولی سے میری پہلی ملاقات اسی مشاعرہ میں ہوئی تھی۔ کاوش بدری سے پہلے کبھی خط و کتابت نہیں رہی۔ البتہ جب کبھی وہ حیدرآباد آتے تو عابد علی خاں صاحب، جگر صاحب سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آتے تھے اور اپنی غزلیں اشاعت کے لیے جگر صاحب کے حوالے کرتے تھے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے منشی فاضل کے استاد حضرت مولانا کلیمی کے وہ مرید ہیں تو ان سے میری قربت میں کچھ اضافہ ہوا۔ بعض دفعہ میں ان کے ساتھ اپنے استاد مولانا کلیمی سے ملاقات کے لیے ان کے

دولت خانہ واقع اتھا پورہ جایا کرتا تھا۔ کاوش بدری سے حیدرآباد کے بعض مشاعروں میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ میں نے انہیں شہر کے بعض کل ہند مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی تھی جب میں کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعرہ کا معتمد تھا تو ایک مشاعرہ میں میں نے استقبالیہ کمیٹی کی منظوری کے بعد کاوش بدری کو مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعرہ میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ میں نے انھیں مشاعرہ دکن میں بھی مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری کے حیدرآباد میں اوج یعقوبی، علی احمد جلیلی، خیرات ندیم اور شاذ تمکنت قریبی دوستوں میں سے رہے۔ حیدرآباد کی علمی و ادبی فضا سے وہ بے حد متاثر ہیں وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح حیدرآباد کا بھی سفر کریں۔ مولانا کلیمی کے والد محترم کے عرس شریف کی تقاریب میں وہ ہر سال بہ پابندی شرکت کرتے ہیں جب بھی حیدرآباد آتے ہیں تو کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔ ان دنوں سیاست میں اشاعت کے لیے ان کا کلام حاصل کیا جاتا ہے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں ان کا کلام ریکارڈ کیا جاتا ہے ان دنوں شہر میں کوئی مشاعرہ ہو تو وہ شرکت کرتے ہیں کاوش بدری صاحب کے کئی شاگرد ہیں لیکن وہ اپنے شاگردوں کا نام بتلانے سے گریز کرتے ہیں۔ کاوش بدری سے ان کے کلام کے ذریعہ اکثر ملاقات ہو جاتی ہے اور ان سے غائبانہ ملاقات کا وسیلہ ان کا وہ کلام ہے جو ادبی رسالوں کی زینت بڑھایا کرتا ہے۔ کاوش بدری تقریباً ۵۰ برسوں سے شعری و ادبی محفلوں سے وابستہ ہیں انھوں نے بے شمار مشاعرے پڑھے ہیں، بے شمار ادبی جلسوں میں شرکت کی۔